بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ دیوان درد

کوئی درد آشنا کہہ گیا ہے ؎

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار — ز یک ساغر دریں بزم اند سرمست
ولے با بادۂ بعض حریفاں — فریبِ چشمِ ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعارِ ایں قوم — ورائے شاعری چیزے دگر ہست

خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمۃ کے دم قدم سے "ورائے شاعری" مضامین سے اردو ادب فیضیاب ہوا ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا — ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

عموماً اردو شاعری کا سرمایۂ ناز حسنِ ظاہر کے انداز ہیں جس میں حسنِ بیان نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ خواجہ صاحب کی چشم حق بین جمالِ حقیقی کے جلووں سے منور تھی۔ وہی نور ان کے کلام میں تاباں ہے میر تقی میر لکھتے ہیں "گلچینِ خیال اور گلِ معنی دامن دامن" یہی وجہ ہے کہ خواجہ صاحب کے کلام کا پایہ عام شاعری سے بالاتر ہے

ادبِ اردو سید راس مسعود صاحب کے خاندان کی سرپرستی کا برسوں سے منت پذیر ہے سر سید نے اردو نثر کو "بیانِ مطالب" کی قوت بخشی۔ نکتہ شناس "پوتے" نے نظمِ اردو کی خدمت کی انتخاب دوین کی اشاعت سے اردو نظم کا نام روشن کیا۔ سونے میں سہاگہ ڈالا۔ اساتذۂ اردو کے دواوین خوبی خوش اسلوبی

سے شایع کرنے کا اہتمام کیا اسی سلسلے کی ایک کڑی "دیوان درد" بھی ہی شروانی دہقانی مقدمہ نگاری پر مامور ہی عین سعادت کہ خواجہ صاحب کی بزم ادب میں باریابی کا ذریعہ ہاتھ آیا۔ ع

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

خواجہ صاحب کے حالات

نام خواجہ میر، درد[ے] تخلص صحیح النسب حسینی سید ہیں۔ آبائی سلسلہ بارھویں پشت میں خواجہ بزرگ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہٗ سے اور چھبیسویں پشت میں حضرت عسکری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہی۔ مادری سلسلۂ نسب حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تک منتہی ہوتا ہی۔ خواجہ صاحب کے والد کی والدہ بھی حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھیں۔ والد کا نام خواجہ ناصر عندلیب تخلص نانا میر سید محمد حسنی تھے جو بیٹے تھے نواب میر احمد خاں شہید کے۔ نواب صاحب پانی پت کے معرکہ میں نادر شاہ کے مقابلے میں شہید ہوئے۔ جہانکشائے نادری میں اُن کا ذکر ہی۔ میرزا رفیع سودا کے ممدوح تھے۔ خواجہ صاحب کے نسب کے بیان میں تذکرہ نویسوں نے فاحش غلطیاں کی ہیں۔ ہمارا بیان خواجہ صاحب کی علم الکتاب سے ماخوذ ہی۔ مسکن پرانی دلّی میں تھا۔ اُسی محلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بھی سکونت تھی اُجڑے دیار کی آبادی و مردم خیزی۔ اللہ اکبر!

خواجہ ناصر صاحب کے والد بخارا سے تحصیل علم کے بعد عہدِ عالمگیری میں وارد ہندوستان ہوئے

ے اس تخلص میں ایک خاص لطف ہی۔ حضرت شاہ گلشن حضرت شاہ محمد وحدت گُل کے مرید تھے اب شجرہ تخلص ملاحظہ ہو:-

شاہ محمد وحدت	گُل
حضرت شاہ سعداللہ	گلشن
خواجہ محمد ناصر صاحب	عندلیب
خواجہ میر صاحب	درد
خواجہ محمد میر صاحب	اثر

دیکھو گُل کی جلوہ نمائی سے ظہور "گلشن" ہوا گلشن نے نالۂ عندلیب پیدا کیا۔ نالۂ عندلیب سے "درد" جلوہ افروز ہوا۔ درد سے "اثر" ے

این سلسلہ از طلائے ناب ست   این خانہ تمام آفتاب ست

خواجہ محمد ناصر صاحب ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائً شاہی منصب داروں میں شامل تھے آخر منصب ترک کرکے یادِ الٰہی میں مصروف ہوگئے۔ حضرت قبلۂ عالم خواجہ محمد زُبیر سے بیعت تھے۔ حضرت شاہ گلشن پیر صحبت تھے۔ شاہ گلشن کی نسبت خواجہ صاحب ایک موقع پر فرماتے ہیں "کہ اُن کے فارسی کلیات میں دو لاکھ کے قریب شعر تھے۔ فن موسیقی میں کامل مہارت تھی حج سے مشرف ہوئے تھے اُن کی مدح میں فرماتے ہیں ؎

چوں مرقع صد بہار از فقر من گل میکند
در فقیری بہرہ مند از فیض شاہ گلشنم

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی روح پرفتوح سے طریقۂ محمدیہ حاصل کیا۔ اُن کی تصنیف "**نالۂ عندلیب**"، کا حجم اٹھارہ سو صفحے کا ہی۔ جس کو آزاد نے ایک رسالہ لکھا ہو! اس تصنیف کی زبان فارسی ہی قصے کے پیرایہ میں معارفِ بلند اور مطالب عالیہ بیان فرمائے ہیں۔ موقع موقع پر کثرت سے اشعار درج ہیں وجہ تصنیف خود یہ بیان فرمائی ہو کہ اکثر آدمی مجھ سے مختلف مطالب اور مسئلے دریافت کیا کرتے تھے۔ صوفی طریقت کے جویا تھے۔ مُلّا احکام شرعیہ پوچھتے تھے۔ مثلاً جبر و اختیار کا مسئلہ بعض جوان مذہبِ شیعہ و سنی کی تحقیق چاہتے تھے۔ بعض اخلاقِ ستودہ کے متلاشی تھے کسی کو عشقِ مجازی کی حکایتوں کا شوق تھا۔ اہل عقل کو عقلی پیرایہ کی جستجو تھی۔ اسی عرصہ میں حضرت قبلۂ عالم نے رحلت فرمائی۔ ادائے تعزیت کے لیے اعزا اور احباب کا مجمع میرے مکان پر ہوا۔ اُسی موقع پر افسانہ کے پیرایہ میں "بزبان ہندی" مطالب بالا کے جوابات خواجہ صاحب نے بیان کئے۔ تین شب و روز یہ صحبت رہی۔ اپنے اپنے مطالب کے جواب پاکر سامعین پر عجیب عالم طاری ہوا۔ سامعین مصر ہوئے کہ اُس افسانہ کو قلمبند کردوں۔ عرصہ تک ٹالا۔ آخر اشارۂ غیبی پاکر فارسی زبان میں لکھدیا۔ طریقۂ تالیف یہ تھا کہ عشا کے بعد مخصوص احباب کے روبرو زبانی بیان کرتا میر درد لکھتے جاتے۔ احیاناً وہ نہ ہوتے تو میرا بیرے مرید قلمبند کرتے کبھی وہ بھی نہ ہوتے تو خود میں ہی لکھتا جاتا اس طرح ۱۱۵۳ھ میں یہ کتاب ختم ہوئی "نالۂ عندلیب" نام پایا۔ میر درد صاحب نے تاریخ لکھی۔ ع

نالۂ عندلیب گلشن ماست

کتاب کو پڑھو اور کمال اور بیان کی قوت کا اندازہ لگاؤ۔ خواجہ عندلیب صاحب نے ۶۹ برس کے سن میں شعبان ۱۱۷۲ھ میں رحلت فرمائی۔ رضی اللہ عنہ۔

خواجہ میر درد ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم اپنے والد ماجد سے کی۔ تفصیل تحصیل نظر سے نہیں گزری لیکن تصانیف شاہد ہیں کہ نقلی اور عقلی علوم میں کامل تھے۔ خصوصاً علم الکتاب کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، اور معقولات میں پوری مہارت حاصل تھی۔ ابتدائے شباب میں دنیادار رہے۔ جاگیر اور معاش کے اہتمام میں پوری تگ و دو کی۔ امرائے شاہی اور مقربان بارگاہ کے ناز اٹھائے ۲۰ برس کی عمر میں جذبۂ حق نے اپنی طرف کھینچا۔ سب کو چھوڑ کر ادھر جھکے۔ لباس درویشی پہن کر آستانۂ جاناں پر سر جھکا دیا۔ ۳۹ برس کی عمر میں خواجہ عندلیب صاحب کی رحلت کے بعد مسند نشین ارشاد ہوئے اور آخر دم تک قدم نہ ہٹا۔ مصیبتوں کے دریا چڑھے اور اترے۔ یہاں پائے استقامت کو جنبش بھی نہ ہوئی۔ انھیں مصائب میں "حملہ نادری" بھی تھا۔ خواجہ صاحب بارھویں صدی ہجری کے اولیائے کبار سے ہیں۔

تصنیف کا شوق ابتدائے عمر سے تھا اور آخر عمر تک رہا۔ پندرہ برس کی عمر میں بحالت اعتکاف رسالہ "اسرار الصلوٰۃ" لکھا۔ انتیس برس کی عمر میں رسالہ "واردات" لکھا۔ رسالہ مذکور ۱۱۷۲ھ میں ختم ہوا اس کے بعد ایک مدت تک اس کی شرح "علم الکتاب" لکھی۔ علم الکتاب کے بعد "نالۂ درد" لکھا جو ۱۱۹۰ھ میں پورا ہوا۔ میر اثر نے تاریخ کہی ع "نالۂ عندلیب درد من است" "نالۂ درد" کے بعد ۱۱۹۳ھ میں رسالہ "آہ سرد" ختم ہوا۔ تاریخ از میر اثر ع "آہِ سرد ما نماید گرمی رفتار ما" "آہ سرد" کے بعد رسالہ "دردِ دل" کی نوبت آئی اسی کے ساتھ ساتھ رسالہ "شمع محفل" لکھا گیا۔ دونوں کو ساتھ لکھنے کی وجہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ "نالۂ درد" "آہ سرد" کی تالیف کے بعد جب رسالہ "درد دل" لکھنا شروع کیا تو خیال آیا کہ اس کے بعد ایک رسالہ "شمع محفل" کے نام سے لکھوں گا۔ مگر چونکہ سن باسٹھ برس کا ہو چکا۔ فرصت مفقود۔ لہٰذا دونوں کو ساتھ ساتھ لکھنا شروع کر دیا۔ صفر ۱۱۹۳ھ میں دونوں رسالے ختم ہوئے۔

فنِ موسیقی میں خواجہ صاحب کو پورا دخل تھا۔ میاں فیروز خاں گویوں کا استاد حاضر ہو کر فن کے نکتے حل کرتا۔ دوسری اور چوبیسویں تاریخ کو ہر مہینے میں ایک مجلس سماع مکان پر ہوتی اس طرح کہ قوال بلا طلب حاضر ہو جاتے اور جب تک ان کا دل چاہتا سناتے اور چلے جاتے نہ بلائے جاتے نہ روکے جاتے۔ سماع کی نسبت خواجہ صاحب فرماتے ہیں "سماع من جانب اللہ است و حق برین امر ہمہ وقت گواہ کہ خود بخود گویندگان می آیند و مادام کہ میخواہند می سرایند نہ آنکہ فقیر اشتہار طلبیدہ

وشنیدن سرود را چون دیگران عبادت می فہمد بلکہ ہمان معاملہ نہ انکار میکنم نہ این کار میکنم ودرپیش ست وعقیدۂ من ہمان ست کہ عقیدۂ بزرگان من ست" (نالۂ درد صفحہ ۳۴)

۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ ہجری کو انتقال فرمایا اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات از بیدار۔

تاریخ۔ قطعہ

آفتاب امت دین محمد خواجہ میر
منظہر علم علی و وارث اثنا عشر

حضرت درد آنکہ از درد فراق عندلیب
نالۂ یا ناصرش میکرد برد لہا اثر

حیف کز دنیا بعمر شصت و ہشتم سالگی
جانب اعلاء علیین او کردہ سفر

بندۂ بیدار کان ہست از غلامانش یکے
جست از وقت وصال و روز ماہش چون خبر

یک بپہر شب ماندہ ہاتف کرد واویلا گفت
ہائے بود آدینہ و بست و چہارم از صفر

اس تاریخ میں خواجہ صاحب کی عمر اڑسٹھ برس کی لکھی ہے۔ حالانکہ خود خواجہ صاحب کے بیان سے چھیاسٹھ برس معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ مزار شہر پناہ کے باہر شاہ جی کے تالاب کے متصل ہے میں بھی فاتحہ خوانی سے مشرف ہوا ہوں والحمد للہ علیٰ ذالک نزع میں یہ مصرع خواجہ صاحب کے زبان پر تھا ع

درد ہم جاتے ہیں پر چھوڑے اثر جاتے ہیں

میر اثر خواجہ صاحب کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ سلسلہ خواجہ محمد نصیر متخلص بہ "رنج" تک جاری رہا۔ جو خواجہ صاحب کے نواسے تھے۔ خواجہ صاحب کے صاحبزادے ضیاء الناصر تھے۔ تخلص "الم" تھا۔

تصانیف بیان بالا سے خواجہ صاحب کی تصانیف کے یہ نام معلوم ہوئے ہیں۔ اسرار الصلوٰۃ۔ رسالہ واردات۔ علم الکتاب۔ نالۂ درد۔ درد دل۔ آہ سرد۔ شمع محفل۔ ان کے علاوہ دیوان فارسی۔ دیوان اردو۔ جملہ تصانیف بالاشایع ہو چکی ہیں۔

اسرار الصلوٰۃ چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں نماز کے ارکان ہفتگانہ کے اسرار بہر کر کے بیان فرمائے ہیں۔ واردات۔ یہ ایک سو گیارہ واردات کا مجموعہ ہے ہر وارد کا نام جدا گانہ ہے۔ مثلاً واردِ فاتح الواردات وارد ثانی۔ نور من اللہ علیٰ ہذا القیاس۔ وجہ تالیف واردات کی یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اکثر اوقات غلبۂ حالات ہیں (جو عبارت ہے شدت مشاہدہ کی حالت سے اور استیلا تا لنے

جو معانی دل پر منکشف ہوتے تھے وہ رباعیوں کی صورت میں منظوم ہو جاتے تھے جب یہ رسالہ تمام ہو گیا تو ۱۱۶۲ھ میں خواجہ عندلیب صاحب کی خدمت میں پیش ہوا اور پسند فرمایا گیا۔ رسالہ واردات میں معرفت وحقیقت کے مطالبِ عالیہ بیان فرمائے ہیں ہر وارد کا ایک دیباچہ ہے۔ اول وآخر رباعی ہے درمیان میں شارحانہ نثر نمونہ۔ وارد اوّل

رباعی اوّل

در خلوتِ ما کہ رشکِ صد انجمن ست — باخویش زباں چو شمع گرم سخن ست
عالم آیئنہ خانہ است و ما را — ہر سو کہ اشارت ست باخویشتن ست

رباعی آخری

از فیضِ تو ہر خرابہ معمور آمد — وز لطفِ تو ہر غمزدہ مسرور آمد
بختِ سیہش رخت زعالم بربست — ہر سایہ کہ زیرِ سایۂ نور آمد

وارد دویم۔ رباعی آخری۔

ہستی وعدم خرابِ میخانۂ اوست — امکان ووجوب مستِ پیمانۂ اوست
چشمِ دلِ تو اگر حقیقت بین ست — ہر ذرۂ خاق روزنِ خانۂ اوست

"علم الکتاب" رسالہ بالا کی شرح ہے جو میر اثر کی فرمایش سے لکھی گئی۔ باریک خط کے بڑے بڑے صفحے ۸۴۰ ہیں۔ خواجہ صاحب کے علمِ الٰہی کا تبحر اور کمالاتِ معرفت کی حقیقت اس تصنیف سے واضح ہوتی ہے جا بجا عربی طویل عبارتیں بے تکلف غایت بلاغت کے ساتھ مثل چشمہ رواں ہیں۔ مطالب حقہ کا ہجوم ہے۔ آیات اور احادیث اس روانی اور آسانی سے ہر موقع پر درج ہوتی جاتی ہیں کہ پڑھنے والے کا قلب ان کے انوار سے پُرنور ومعمور ہو جاتا ہے۔ سلوک کے مسائل کو آیات واحادیث سے مجتہدانہ اور عارفانہ قوت کے ساتھ ثابت ومدلل فرمایا ہے۔ "نالۂ درد" میں فرماتے ہیں کہ "نالۂ عندلیب" اور "علم الکتاب"، طریقہ محمدیہ کے سلوک کے لیئے کافی ہیں۔ یہ کتاب متانت وقوت تحریر میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بہترین تصانیف کے ہم پلہ ہے۔

"نالۂ درد" "علم الکتاب" کے بعد لکھا گیا دیباچہ میں فرماتے ہیں:۔

علم الکتاب کے ختم ہونے پر جو مطالبِ قلب جیسے ان پر تراوش کرتے تھے اُن کو میر اثر جمع کرتے گئے جب مجموعہ تیار ہو گیا "نالۂ درد" نام رکھا۔ اس میں لفظ ناصر کے ہم عدد ۳۴۱ نالے ہیں۔ یہ رسالہ سوز و گداز اور ولولۂ شوق سے معمور ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

درد می بارد از رسالۂ درد　　شرح دردِ دل ست نالۂ درد

"آہِ سرد" اس میں بھی ۳۴۱ سرد آہیں ہیں "نالۂ درد" "آہ سرد" دونوں مل کر گویا ایک کتاب ہیں "دردِ دل" "نالۂ درد" "آہ سرد" دونوں ختم ہو گئے مگر دردِ دل بدستور تھا۔ ناچار "دردِ دل" لکھا۔ اس میں ۳۴۱ درد ہیں۔ ہر درد میں مطالبِ عرفان کی شرح ہے۔

شمع محفل اس میں ۳۴۱ نور ہیں اور ہر نور معارفِ بلند سے معمور۔ رسالہ کا آغاز خواجہ صاحب کی عمر کے باسٹھویں سال میں ہوا تھا۔ چھیاسٹھ برس کی عمر تک دردِ دل کے ساتھ اس کی تحریر جاری رہی۔ اس رسالہ کا خاتمہ حیرت خیز اور واقعہ عبرت انگیز ہے۔ خاتمہ میں فرماتے ہیں "اب میری عمر کا چھیاسٹھواں سال ہے اور یہ رسالہ ختم ہو رہا ہے۔ مبارک اسم اللہ کے بھی عدد چھیاسٹھ ہیں۔ صحیفہ واردات ۱۱۷۰ھ ہجری میں ختم ہوا تھا اُسی سال والد عالی مرتبہ نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں رحلت فرمائی تھی۔ حسن اتفاق کہ اس رسالہ کا خاتمہ امسال ہوا جو میرا سال ارتحال ہے۔ یہ رسالہ رسالۂ "شمع محفل" کے ساتھ ۱۱۹۵ھ میں شروع ہوا تھا ۱۱۹۹ھ میں ختم ہو رہا ہے ظاہرا یہ خاتمہ توام ہے سکوت خاتمہ بالخیر راقم رسالہ سے" خواجہ صاحب کے کلام کا خلاصہ ختم ہو دیکھو ہی صفر کی ۲۴ تاریخ کو خواجہ صاحب نے رحلت فرمائی۔ یہ کیا تھا۔ سائنس کے رمز شناس سوچیں۔

شمع محفل کا نور (۲۲۹) اس راز پر روشنی ڈالتا ہے جہاں فرماتے ہیں کہ مجھ سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ سال ارتحال و حال انتقال تجھ کو پیشتر سے بتلا دیا جائے گا بریداجل ناگہاں نہیں پہونچے گا۔ چاروں مذکورہ بالا رسالوں میں یہ التزام ہے کہ سوائے اپنے اشعار فارسی کے اور کسی شاعر کا کلام درج نہیں کیا۔

دیوان فارسی "دیوان فارسی مختصر ہے ۱۳۰۹ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شایع ہوا ہے۔ غزلیں ہیں رُباعیاں ہیں مخمس وغیرہ بھی ہیں۔ زبان کا وہی انداز ہے جو فارسی گو شعرائے ہند خان آرزو وغیرہ کا ہے معرفت کی قوت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہے۔ ایک شعر سُن لیجئے۔

شد منشاء ظہور دو عالم وجودِ ما　　جو نشہ نشأتین ز جوش شراب ما

اس شعر سے زورِ کلام اور قوتِ نسبت کا اندازہ کیجئے۔ اگر نالۂ درد وغیرہ کے اشعار بھی شامل دیوان

ہو جائیں تو ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہو جائے۔ نمونہ غزل فارسی

غزل

جوش زد بادۂ توحید بہ میخانۂ ما — بحر دارد بہ گرہ قطرۂ پیمانۂ ما
بیخودی پردہ کشائے حرمِ دلہا شد — بستہ احرامِ رہش لغزشِ مستانۂ ما
دیدہا آئینہ ہا شد بامیدے کہ کند — جلوۂ یار قدم رنجہ بکاشانۂ ما
زینت و زیبِ تماں باد مبارک بزباں — سازد بنیا نکند ہمتِ مردانۂ ما

منتِ طبع رسا درد و بلنت نکشم
آشنا کردہ بما معنی بیگانۂ ما

غزل

آئینہ ایم فرما تا در حضور آئیم — ہر جلوہ کہ داری در خود ترا نمائیم
عرفان تیز بیں را حیرت گرفت آخر — اکنوں بہ نورِ ایماں چشمِ یقیں کشائیم
از آشنائے ما بیگانگی ست او را — بیگانہ وار ہستیم از بسکہ آشنائیم
ما چشمِ نقش پائیم دیدہ قصور داریم — گو در رہش فتادیم اما بہرہ نیائیم
او دلبر و دل آزار ما دل ز دست دادہ — یا رب چہ پیش آمد آمادۂ بلائیم
ما از وفا نپرسیم تو از جفا نگوئی — تا چند آزمائی تا چند آزمائیم

یاراں ز مہربانی دانند ہر چہ دانند
ما خوب می شناسیم اے درد آنچہ مائیم

متفرق

درد سلطانِ بحر و بر گشتم — کہ لب خشک و چشم تر دارم

ولہ

صبح روزِ فراق شام بود — اے شبِ وصل شامِ تو سحر ست

ولہ

فروغ ماہ در شبہا تواں دید — بہندوستاں نماید نور ایماں

ولہٗ

	در دست چراغے کہ دریں راہ بگیرم		آئینہ بکف از دل آگاہ بگیرم	

"دیوان اُردو" اس کا بیان آگے آتا ہے۔

ادبِ اُردو خواجہ صاحب اُردو شعرا کے تیسرے دور میں ہیں۔ میر و میرزا معاصر تھے۔ دورِ سوم کے شعرا کی نسبت آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں "زبانِ اُردو ابتدا میں کچا سونا تھی۔ ان بزرگوں نے اُسے کدورتوں سے پاک صاف کیا اور ایسا بنا دیا ہے کہ جس سے ہزاروں ضروری کام اور آرائشوں کے سامان حسینوں کے زیور بلکہ بادشاہوں کے تاج و افسر تیار ہوتے ہیں۔ یہ اپنی صنعت میں کچھ کچھ تکلف بھی کر گئے مگر ایسا جیسے گلاب کے پھول پر شبنم یا تصویر پر آئینہ۔ ان کا تکلف بھی اصل لطافت پر کچھ لطف زیادہ کریگا اس کی خوبی پر پردہ نہ ہوگا۔ تم میر صاحب اور خواجہ میر درد کو دیکھوگے کہ اثر میں ڈوبے ہوں گے" آگے چلکر لکھتے ہیں "اپنے اُستادوں اور بزرگوں سے یہی سُنا کہ مرزا جان جاناں، سودا، میر، خواجہ میر درد یہ چار شخص تھے کہ جنھوں نے زبان اُردو کو خراد اُتارا ہے"

کلام بالا سے خواجہ صاحب کے ادبی صفات یہ واضح ہوئے۔ زبان کو پاک اور کلام کو آراستہ کیا خراد اُتارا اس سے بھی بڑھ کر شہادت میر تقی میر اور میر حسن کی ہے۔ میر صاحب جب اکبرآباد سے دلی آئے تو خواجہ صاحب کی خدمت میں شرف اندوز ہوتے رہے۔ اُن کے مشاعرہ میں شریک ہو کر دارالخلافہ کے مذاق سے آشنا ہونے اور اہلِ زبان کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کا موقع اُن کو ملا۔ میر صاحب کی ترقی دیکھ کر خواجہ صاحب فرماتے "میر محمد تقی تو میرِ مجلس خواہی شد" جب وہ مشاعرہ خواجہ صاحب کے یہاں بند ہوگیا تو میر صاحب نے اُن کی فرمائش سے اپنے یہاں مقرر کیا۔ اپنے مشاعرہ کی نسبت کہتے ہیں "واللہ کہ بذات ہمیں بزرگ ست"۔ میر صاحب کو صاف اقرار ہے کہ اُن کا کمال خواجہ صاحب کے پاک انفاس کا ممنونِ کرم ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "الحمد للہ والمنۃ کہ حرفِ آں سرسلسلہ خدا پرستاں مُوثر افتاد۔ باطنِ آں خضرِ قافلۂ اہلِ عرفاں کہ از ظاہرش ظاہر تر ست زود کار کرد (دیکھو تذکرۂ میر تقی حالات خواجہ صاحب) میر حسن نے بھی ابتدائے ذوقِ شاعری کی پختگی خواجہ صاحب کی صحبت میں حاصل کی۔ کریم الدین لکھتے ہیں "بچپن سے میر حسن کو شوق نظم کا تھا۔ جب اس شوق کی ترقی چاہی خواجہ میر درد کی صحبت میں رہے۔ اسی فیض صحبت سے وہ اپنے ارادہ پر مضبوط اور قایم رہے" (ترجمہ

کا سنڈ دی ناسی) خود میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "میرے اُستاد میر ضیا ہیں مگر مجھ سے اُن کے طرز کا کما حقہٗ نباہ نہ ہو سکا۔ اس لیئے میں نے دوسرے بزرگوں کی (مثل خواجہ میر درد، میرزا رفیع سودا اور میر تقی میر) پیروی کی۔ خواجہ صاحب کی خصوصیت خاص یہ ہی کہ اُردو شاعری کے قالب میں حقیقت و معرفت کی روح پھونکی۔ مُردہ جسم کو زندہ کیا۔ نمایاں وصف یہ ہی کہ اُردو ادب میں **مذاق صحیح** پیدا کیا میر تقی میر اور میر حسن اُن کے صحبت یافتہ ہیں۔ اثر اور قایم اُن کے شاگرد ہیں نیز فراق بھکاری داس عزیز نثار الملک صاحبزادہ ہیں۔ ایک قریبی رشتہ دار شاعر تخلص ہیں۔

میر اثر کی مثنوی "خواب و خیال" افسوس ہی کہ اب تک دستیاب نہیں ہوئی مگر جو اشعار اُس کے محفوظ ہیں اُن سے اور خواجہ حالی کی شہادت سے عیاں ہی کہ مثنوی مذکور ایک نمونہ تھی حسن ادب کا آبحیات میں آزاد نے تصریح کی ہی کہ میر حسن جو انداز بیان دلّی سے لائے تھے وہ اُن کے خاندان نے آخر تک قایم رکھا چنانچہ میر انیس کہدیتے تھے کہ "یہ میرے گھر کی زبان ہی۔ حضرات لکھنؤ اس طرح نہیں فرماتے"، نہ صرف یہ بلکہ انداز گفتگو و طرزِ معاشرت میں بھی آخر تک امتیاز قایم رہا۔ جن صاحبوں نے میر نفیس اور میرزا اوج کو دیکھا وہ اس بیان کی تصدیق کریں گے۔ اب یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مثنوی خواب و خیال۔ مثنوی بدر منیر اور مراثی انیس سے جو فخر و شرف ادب اُردو کو حاصل ہوا وہ خواجہ صاحب کے فیض تربیت کا ممنون ہی۔

خواجہ صاحب خود شاعری کی نسبت ایک موقعہ پر فرماتے ہیں اس سے اندازہ کرو کہ کیسی پاکیزہ شاعری کا مفہوم خواجہ صاحب کے ذہن میں تھا "شاعری ایسا کمال نہیں جس کو مرد آدمی اپنا پیشہ بنالے اور اس پر ناز کرے البتہ انسانی ہنروں میں سے ایک ہنر ہی بشرطیکہ صلہ حاصل کرنے اور در بدر پھرنے کا آلہ نہ بنے اور مدح اور ہجو دنیا کمانے کے لیئے نہ کہے ورنہ گداگری کی ایک صورت ہی اور طماعی اور نفسی کی دلیل" (نالۂ درد ۲۰)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں "اس سے پہلے بہت ہی کم آدمی ایسے نظر آتے تھے جو سلسلہ جنبان سخن ہوں آپ کہیں دوسروں سے سُنیں دل بے اختیار چاہتا تھا کہ دل پر جو معارف تازہ وارد ہوتے تھے اُن کو سخن فہم نکتہ سنجوں کے سامنے بیان کروں اور اُن سے ہم کلام ہوں یہ نتیجہ انسانیت ہی اور نشان آدمیت۔ کلام مربوط عجیب لذّت رکھتا ہی اور دل کو شگفتہ کر دیتا ہی علمہ البیان کا یہی خلعت ہی جو خلیفۃ اللہ کو پہنایا گیا ہی۔ پاک فرشتوں کی مسجود یہ مشت خاک اسی نعمت کی بدولت ہوئی ہی اب معنی فہم انسانوں سے زمانہ بالکل خالی ہو چکا ہی۔ بعض جُہلا توحید اس انداز سے بیان کرتے ہیں جو عین الحاد ہی بعض جنگجو مذہب و ملت کی باتیں اس طرح کرتے ہیں جو

منشاءِ فساد ہو جاتی ہیں۔ کچھ خام طبع باہم مل کر جوشِ اخلاص کا اظہار کرتے ہیں اور بیہودہ گوئی کے معرکے گرم کرتے ہیں عقل و فہم کہاں۔ خدا ایسی صحبتوں کے شر سے محفوظ رکھے"

خود اپنی شاعری کی نسبت فرماتے ہیں "فقیر کے اشعار باوجود رتبۂ شعری کی رعایت کے پیشۂ شاعری اور اندیشۂ ظاہری کے نتائج نہیں۔ بندہ نے کبھی شعر بدون آمد کے اہتمام آورد سے موزوں نہیں کیا اور بہ تکلف کبھی شعر و سخن میں مستغرق نہیں ہوا کبھی کسی کی مدح یا ہجو نہیں کہی کبھی فرمایش یا آزمایش سے متاثر ہو کر شعر نہیں کہا" (علم الکتاب ۹۱)

عشقِ مجازی کا مفہوم خواجہ صاحب کے یہاں معمولی سطح سے بلند تر ہے فرماتے ہیں "بوالہوسی عشقِ مجازی نہیں ہے اور اس مجاز کو حقیقت کی راہ نہیں کہہ سکتے پیر کی محبت وہ عشقِ مجازی ہے جو مطلوبِ حقیقی تک پہونچا دیتی ہے" ؎

درد سر افزود از عشقِ بتاں	درد من میخواستم دردِ دلے"

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں "میں کبھی رسمی عشق بازی میں گرفتار نہیں ہوا لیکن دل "عاشقانہ صادقانہ" پایا ہے محبوبوں سے تو کبھی سابقہ نہیں رہا البتہ دوستوں کی صحبت بے تکلفانہ میں وقت گزرا ہے دوستانِ ہمدم جب جمع ہوں اور "محفلِ زندہ دلی" گرم فرمائیں اس "مردہ دل افسردہ خاطر" کو بھی یاد کرلیں اور فاتحہ خیر سے شاد"

مضامین بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ خواجہ صاحب کی شاعری کی نوعیت اور تخیلِ شعر کی حقیقت کیا تھی؟

خواجہ صاحب کا **دیوان اُردو** مختصر ہے۔ عام طور پر جو مجموعہ نسخے ملتے ہیں بہت غلط ہیں۔ اسی لئے جناب **سیّد راس مسعود** صاحب کو صحیح نسخے کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا اور بہت صحیح پیدا ہوا۔ حیدرآباد میں ایک سے زائد قلمی دیوان درد کے نسخے میرے ہاتھ آئے۔ سید صاحب کی فرمایش سے میں نے سیّد **معین الدین** صاحب شاہجہانپوری (مترجم نپولین اعظم وغیرہ) کو تصحیح و مقابلے کی تکلیف دی۔ اہل ادب کو ممنون ہونا چاہیئے کہ نہایت محنت و دیدہ ریزی سے اُنھوں نے ایک صحیح نسخہ مرتب فرما دیا اُسی نسخہ سے یہ دیوان طبع ہوا ہے۔ طبع کے بعد جب میں حیدرآباد سے حبیب گنج آیا تو کتاب خانہ میں ایک قدیم مطبوعہ نسخہ موجود ملا جو دہلی کے مطبع مصطفائی میں ۱۲۵۵ء میں بڑے اہتمام سے طبع ہوا تھا یہ نسخہ بہت صحیح ہے اور متعدد صحیح نسخوں کے مقابلے سے چھاپا گیا تھا۔ میں نے اس نسخے سے بھی مقابلہ کرنے کی خواہش سیّد **معین الدین** صاحب سے کی اور اُنھوں نے مہربانی سے محنت کرکے مقابلہ کیا۔ یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ حالیہ مطبوعہ نسخۂ قدیم سے بالکل مطابق نکلا صحت میں بھی اور مقدارِ کلام میں بھی

خواجہ صاحب کے کلام میں بعض ایسے الفاظ ضرور ہیں جو اب متروک ہو چکے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ جو زبان آج فصیح سمجھی جاتی ہے کل اُس کے کتنے الفاظ غیر فصیح اور نامانوس مانے جائیں گے لیکن اسی کے ساتھ

معرفت اور حقیقت کا رنگ۔ کلام کی پاکیزگی تخیل کی بلندی درد کی چاشنی سوز و گداز کا کندن ہر جگہ عیاں ہے تاہم اشعار ذیل اس دعوے کے شاہد ہیں۔

غزل

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

جس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گذر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہے تو تیرے ہی کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

دیگر

مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

ہر شام مثل شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گل تو میرے ساتھ اختلاط
پر آہ میں تو موج نسیم وزیدہ ہوں

چاہے ہے یہ مری تپش دل کہ بعد مرگ
کنج مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غم زدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

دیگر

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

ہم گلشن دوراں میں اک خفتگی طالع
سرسبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ

اے شور قیامت رہ اودھر ہی میں کہتا ہوں
چونکے ہے ابھی یاں سے کوئی دل شوریدہ

اوروں سے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں
ایدھر کو نظر کوئی پھینکی بھی تو دزدیدہ

مجھ پر بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا بارے
زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ

بدخواہ سبھی عالم گو ہووے تو ہو لیکن
یارب نہ کسی کے ہوں دشمن یہ دل و دیدہ

کرتا ہی جگہ دل میں جوں ابروئے پیوستہ
اے درد یہ تیرا تو ہر مصرعہ چسپیدہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گذرِ پروانہ
تم نے کیا قہر کیا بال و پرِ پروانہ

شمع کے صدقے تو ہوتے ابھی دیکھا تھا اُسے
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثرِ پروانہ

کیوں اُسے آتشِ سوزاں میں لیئے جاتی ہی
سوجھتا بھی ہی تجھے کچھ نظرِ پروانہ

ایک ہی جست میں لی منزلِ مقصود اُس نے
راہرو رشک کی جا ہی سفرِ پروانہ

شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے درد میں کس سے خبرِ پروانہ

دیگر

اُس کی بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہی
فصلِ بہار جس کے ہاں ایک یہ گل فروش ہی

خلوتِ دل نے کردیا اپنے حواس میں خلل
حُسن بلائے چشم ہی نغمہ وبالِ گوش ہی

ہووے تو درمیان سے اپنے تئیں اُٹھائیے
بار نہیں ہی اور کچھ سر ہی وبالِ دوش ہی

نالہ و آہ کیجیئے خونِ جگر ہی پیجیئے
عہدِ شباب کہتے ہیں موسمِ ناؤ نوش ہی

خیر تجھے جو چاہیئے بدرقۂ جنوں نہ چھوڑ
ہم نے جہاں کی سیر کی یہ ہنرِ خلق ہوش ہی

غیرِ ملال زاہدا کیا ہی طریقِ زہد میں
دل ہو شگفتہ جس جگہ کوچۂ میفروش ہی

اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
درد اگر لباس ہی دیدۂ عیب پوش ہی

دیگر

آفت جان و دل تو یاں وہ بُتِ خود فروش ہی
پہلے ہی جس کے پیشکش صبر و قرار و ہوش ہی

دل کو سیاہ مست کر کچھ بھی تجھے جو ہوش ہی
کہتے ہیں کعبہ اس کو اور کعبہ سیاہ پوش ہی

کس کی یہ ہوتی ہی صبا گفت و شنید باغ میں
غنچے سبھی دہان ہیں گل بھی تمام گوش ہی

آتشِ گل جوں مرا گرم کرے سو کیا ہیں
سینہ ہمیشہ آگ ہی دل میں سدا ہی جوش ہی

حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سو کیا بلا
ہم نے تو آیات مصیبت چاہی چھپے نہ چھپ سکی
آہ کہیں یہ ناتواں حال کرے سو کیا بیاں
دور نہیں ہوا ہمیں رنجِ شعور ساقیا

ہم کو سپہر مست ڈر اندیش بھی یاں تلخ نوش ہے
اپنے گناہ کو ترا عفو ہی پردہ پوش ہے
منہ پہ ہے مہر خامشی دل میں بھرا خروش ہے
اک دو سہ جام اور بھی باقی ابھی تو ہوش ہے

محنت و رنج و غم سے یاں دردؔ نہ جی چھپائیے
بار بھی اُٹھائیے جب تئیں سر ہے دوش ہے

آخر میں یہ لکھ دینا ضروری ہے کہ جو حالات اس مقدمے میں لکھے گئے ہیں اُن کا ماخذ خود خواجہ صاحب کی تصانیف ہیں بعض حالات یا مضامین ایسے بھی درج ہوئے جو دوسری کتابوں سے ماخوذ ہیں اُن کا حوالہ موقع پر دے دیا گیا ہے۔

میں ممنون ہوں کہ سیدنا صر نذیر صاحب فراقؔ دہلوی سے قیمتی مدد ملی ہے۔ ناشکری ہوگی اگر میں نہ لکھوں کہ خواجہ صاحب کی نادر اور نایاب تصانیف (علم الکتاب، نالۂ درد وغیرہ) اور خواجہ عندلیب صاحب کی نالۂ عندلیب کی اشاعت کی سعادت نواب سید نور الحسن خاں مرحوم بھوپالی کو نصیب ہوئی۔ یہ دین و علم کی ایسی بیش بہا خدمت تھی جو ہمیشہ اہل دل کو اُن کا ممنون رکھے گی۔ جزاہ اللہ خیراً

اللہ بس باقی ہوس

محمد حبیب الرحمن خاں شروانی
المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر
حبیب گنج ضلع علی گڑھ

۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ م ۲۹ اگست ۱۹۲۳ء
یوم چہار شنبہ

گزارش

سیّد راس مسعود صاحب المخاطب بہ نواب مسعود جنگ ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ کی ادبی سرگرمیاں اک عرصے سے اساتذۂ اردو کے کلام کو صحیح اور خوشنما صورت میں چھاپنے کی طرف متوجہ ہیں۔ نظامی پریس بدایوں کی خوش قسمتی ہی کہ اس تجویز کو عملی شکل دینے کے لیئے اس کو منتخب کیا گیا یہ سلسلہ سرکار آصفیہ کے نام سے منسوب ہی۔ دیوان درد جو آپکے مبارک ہاتھوں میں پہونچتا ہی اس سلسلے کی تیسری کڑی ہی چونکہ ہر دیوان کے ساتھ مقدمہ شامل ہونے کا دستور ہو گیا ہی اس لیئے سید راس مسعود صاحب نے اس دیوان کے لیئے مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر کا انتخاب کیا۔ مقدمہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ سید صاحب کا یہ انتخاب کہاں تک صحیح ہی مقدمہ جس تلاش و تجسس سے لکھا گیا ہی وہ دراصل شروانی صاحب ہی کا حصہ تھا۔

پہلی مرتبہ یہ دیوان آخر سنہ ۱۹۲۳ء میں شایع ہوا تھا۔ اب نو سال کے بعد دوسری مرتبہ چھپنے کی نوبت آئی۔ کتابت کی وہ غلطیاں جو پہلی طباعت میں رہ گئی تھیں اس مرتبہ درست کر دی گئیں اور ساتھ ہی وہ الفاظ یا محاورے جو اب متروک ہو جانے کی وجہ سے غیر معروف ہو گئے ہیں اُن کی شرح بطور ضمیمہ کتاب کے آخر میں شامل کر دی ہی اور اس سلسلے میں بعض مصرعوں اور شعروں کی بھی تشریح

کر دی گئی ہے۔

اب دیوان کی صحیح کتابت اور اس کی خوشنما طباعت کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ دیوان درد جو کارکنان نظامی پریس کی ادبی سعی کا ایک نمونہ ہے اپنا آپ ہی نظیر ہے۔

خواجہ میر درد کے کلام میں دنیا کی بے ثباتی کی تصویر سوز و گداز کے مضامین عجیب دلکش پیرایہ میں ادا کیے گئے ہیں۔ ان کا تخیل نہایت زبردست ہے اخلاقی نکات سے ان کا کلام مالامال ہے۔ اگر ہم خواجہ صاحب کے دیوان کی نسبت یہ کہیں کہ وہ پند و نصائح کے بیش بہا جواہر ریزوں کا گنجینہ ہے تو کچھ بیجا نہیں وہ خود فرماتے ہیں ؎

ہوں قافلہ سالارِ طریقِ قدما درد

جوں نقشِ قدم خلق کو ہوں راہنما ہوں

اُمید ہے کہ ہماری موجودہ نسل جس نے مغربی تعلیم کی روشنی میں پرورش پائی ہے۔ اس قدیم ایشیائی شاعر کے نادر کلام سے فائدہ اُٹھائے گی اور اس زمانہ میں بھی جبکہ اُسکی تصنیف کو کم و بیش ڈیڑھ سو سال گزر چکے ہیں وہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

خاکسار

نظامی بدایونی عفی عنہ

بدایوں

یکم اکتوبر ۱۹۳۰ء

الف

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

جس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہے تو تیرے ہی کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

دونوں جہاں کو روشن کرتا ہے نور تیرا
اعیاں ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا

یاں افتقار کا تو امکاں سبب ہوا ہے
ہم ہوں نہ ہوں ولے ہے ہونا ضرور تیرا

باہر نہ ہو سکی تو قیدِ خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا

جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں بھرا ہوا ہے از بس غرور تیرا

اے درد منبسط ہے ہر سو کمال اس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا ۔ ہم سبھی مہماں تھے یاں اک تو ہی صاحب خانہ تھا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا ۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراجِ خزاں ۔ آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ ۔ وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوتخانہ تھا

بھول جا خوش رہ عبث وے سابقے مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

کبھی خوش بھی کیا ہے دل کسی رندِ شرابی کا ۔ بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

چھپے ہرگز نہ مثلِ بو وہ پردوں کے چھپائے سے ۔ مزا پڑتا ہے جس گل پیرہن کو بے حجابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یاں فرصتِ ہستی ۔ فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

میں اپنا دردِ دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں ۔ بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

کبودِ چرخ دیکھا تو سواری کے نہیں قابل ۔ مہِ نو سے ہے پیدا عیب اس کی بدرکابی کا

زمانے کی نہ دیکھی جرعہ ریزی درد کچھ تو نے
ملایا مثلِ مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

جان پر کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا ۔ جی نہ رہے یار ہے مجھ کو ادھر دیکھنا

گرچہ وہ خورشید رو رہت ہے مرے سامنے ۔ تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا

سو بھی، نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک ۔ اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

ذکرِ وفا کیجیے اس سے جو واقف نہ ہو ۔ کہتے ہو کس سے یہ تم ٹک تو ادھر دیکھنا

مثلِ شرر تنگ چشمِ ہستی نے یو دہی ۔ دیکھ نہ سکنا اسے ٹک بھی جدھر دیکھنا

نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا درد بس

جی میں نہ رہ جائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہی کیمیا سے دل کا گداز کرنا

کب دل ملے کسی کا ہم غمزدوں سے کھل کر
ہی اپنے دل سے لازم جوں غنچہ ساز کرنا

ای آنسوؤ نہ آوے کچھ دل کی بات منہ پر
لڑکے ہو تم کہیں مت افشائے راز کرنا

تو اپنے ہاتھوں آپ ہی پڑتا ہی تفرقہ میں
ای امتیاز ناداں ٹک امتیاز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں ای درد کیا ہی کعبہ
جیدھر سے ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا
ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

یارب یہ دل ہی یا کوئی مہماں سرائے ہی
غم رہ گیا کبھو۔ کبھو آرام رہ گیا

ساقی مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر
لب تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہ گیا

سو بار سوز عشق نے دی آگ پر ہنوز
دل وہ کباب تھا کہ جگر خام رہ گیا

ہم کب کے چل بسے تھے پر ای مژدۂ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا

مدت سے وہ تپاک تو موقوف ہو گئے
اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

از بس کہ ہم نے حرف دوئی کا اٹھا دیا
ای درد اپنے وقت میں ایہام رہ گیا

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

زور عاشق مزاج ہے کوئی
درد کو قصہ مختصر دیکھا

عاشق بیدل ترا یاں تک تو جی سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا

کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یاں
اپنے اپنے بوریئے پر جو گدا تھا شیر تھا

اشک نے میرے ملائے کتنے ہی دریا کے پاٹ
دامن صحرا ہیں ورنہ اس قدر کب گھیر تھا

شیخ کعبے ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ ہی کا پھیر تھا

کام یاں جس نے جو کہ ٹھہرایا
جب تلک ہووے آپ ہی کام آیا

بے طرح کچھ الجھ گیا تھا دل
بے وفائی نے تیری سلجھایا

آنسو کب تک کوئی پیئے جاوے
اس محبت نے جی بہت کھایا

دشمنی میں سنا نہ ہووے گا
جو ہمیں دوستی نے دکھلایا

ہم نہ کہتے تھے منہ نہ چڑھ اس کے
درد کچھ عشق کا مزا پایا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا

گلی سے تری دل کو لے تو چلا ہوں
میں پہنچوں گا جب تک یہ آتا رہے گا

جفا سے غرض امتحان وفا ہے
تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

قفس میں کوئی تم سے ہی ہم صفیرو / خبر گل کی ہم کو سناتا رہے گا

خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تو
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

جی میں ہے سیر عدم کیجیے گا / یک بیک خلق سے رم کیجیے گا

مورد قہر تو یاں ہم ہی ہیں / اور کس پر یہ کرم کیجیے گا

سخت بے باک ہے یہ خامۂ شوق / اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا

تا کبھی گردوں نے اگر فرصت دی / عیش کو کشتۂ غم کیجیے گا

گرمی اشک سے مانند شراب / آب و آتش کو بہم کیجیے گا

سینہ و دل کے تئیں داغوں سے / رشک گلزار ارم کیجیے گا

قصد ہے قطع بطور مستاں / عرصۂ دیر و حرم کیجیے گا

پھر جب آوے گی جی میں جوں برق / راہ طے اک دو قدم کیجیے گا

شدت مہر بتاں دل سے آہ
درد کس طرح سے کم کیجیے گا

ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا / پر اسے آہ نے اثر نہ کیا

سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما / اس طرف کو کبھو گزر نہ کیا

کیوں بھویں تانتے ہو بندہ نواز / سینہ کس وقت میں سپر نہ کیا

کتنے بندوں کو جان سے کھویا / کچھ خدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا

دیکھنے کو رہے ترستے ہم / نہ کیا رحم تو نے پر نہ کیا

آپ سے ہم گزر گئے کب کے / کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

کونسا دل ہی وہ کہ جس میں آہ
خانہ آباد تو نے گھر نہ کیا

تجھ سے ظالم کے سامنے آیا
جان سا میں نے کچھ خطر نہ کیا

سب کے جوہر نظر میں آئے درد
بے ہنر تو نے کچھ ہنر نہ کیا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں جو پہونچا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

پرورش غم کی ترے یہاں تئیں تو کی دیکھا
کوئی بھی داغ تھا سینے میں کہ ناسور نہ تھا

محتسب آج تو میخانہ میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

درد کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانا
اُس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا

اُن نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سُنا ہوگا گر سنا ہوگا

دیکھئے غم سے اب کے جی میرا
نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا

دل زمانے کے ہاتھ سے سالم
کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا

حال مجھ غمزدہ کا جس تس نے
جب سُنا ہوگا رو دیا ہوگا

دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا

یک بیک نام لے اٹھا میرا
جی میں کیا اُس کے آگیا ہوگا

قطعہ

میرے نالوں پہ کوئی دُنیا میں
بن کئے آہ کم رہا ہوگا

لیکن اُس کو اثر خدا جانے — نہ ہوا ہوگا یا ہوا ہوگا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا — کسی بدخواہ نے کہا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا — میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
رکھتا ہوں ایسے طالعِ بیدار میں کہ رات — ہمسایہ میرے نالوں کی دولت نہ سو سکا
گو نالہ نارسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر — میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا
دشتِ عدم میں جا کے نکالوں گا جی کا غم — کنجِ جہاں میں کھول کے دل میں نہ رو سکا

جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر
تو بھی تو درد داغ جگر کو نہ دھو سکا

انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا — زخمی جو ہو چکا ہو کسی کی نگاہ کا
زاہد کو ہم نے دیکھ لیا جوں نگیں بعکس — روشن ہوا ہے نام تو اس روسیاہ کا
ہر چند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں — لیکن عجب مزا ہے فقط دل کی چاہ کا
لیکن ازل سے تا بہ ابد ایک آن ہے — گر درمیان حساب نہ ہو سال و ماہ کا
رحمت قدم نہ رنجہ کرے گر تری ادھر — یارب ہے کون پھر تو ہمارے گناہ کا
دل اُس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی — اے بے خبر بُرا ہے یہ فرقہ سپاہ کا
شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں — نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا
سو بار دیکھیں میں نے تیری بے وفائیاں — تس پر بھی نت غرور ہے دل میں نباہ کا

اے درد چھوڑتا ہی نہیں مجھ کو جذبِ عشق
کچھ کہربا سے بس نہ چلے برگِ کاہ کا

دل کس کی چشمِ مست کا سرشار ہو گیا — کس کی نظر لگی جو یہ بیمار ہو گیا

کچھ ہی خبر تجھے بھی کہ اُٹھ اُٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا

بیٹھا تھا خضر آکے مرے پاس ایک دم
گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہو گیا

چاکِ جگر تو سیکڑوں خاطر میں کچھ نہ تھے
دل کی تپش کے آگے میں ناچار ہو گیا

کھٹکی کبھو دلوں میں نہ تیری صدا جرس
نالہ مرا تو چھوٹتے ہی پار ہو گیا

ای درد ہم سے یار ہے اب تو سلوک میں
خط زخم دل کو مرہم زنگار ہو گیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گذر کیا
ہم نے ہی اس جہان سے آخر سفر کیا

جن کے سبب سے دیر کو تو نے کیا خراب
ای شیخ اُن بتوں نے مرے دل میں گھر کیا

تیرے سبب سے اور بھی مجھ پر غضب ہوا
ای نالہ واہ! خوب یہ تو نے اثر کیا

کم فرصتی نے ہستی بے اعتبار کی
شرمندہ تیرے آگے ہمیں ای شرر کیا

پیکان و دل کے ساتھ ہوا جب [illegible]
سینے سے تب خدنگ نے تیرے گذر کیا

روتا ہوں گرم جوشی کی یاد کر کے درد
آتش نے مجھ کو شمع کے مانند تر کیا

شب گزری اور آفتاب نکلا
تو گھر سے بھلا شتاب نکلا

ای آتشِ عشق جس کو ہم یاں
دل سمجھے تھے سو کباب نکلا

ایدھر کو جو مسکرا کے دیکھا
کچھ تو جی سے حجاب نکلا

ہر چند کیے ہزار نالے
پر دل سے نہ اضطراب نکلا

میخانۂ عشق میں تو ای درد
تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک دل متوطن ہی سفر کا
معلوم نہیں اس کا ارادہ ہی کدھر کا

جوں چاہیے اُس طرح بیاں ہم سے نہ ہوگا
کر اپنے دہن سے ہی تو وصف اپنی کمر کا

آزاد کسی کی بھی اُٹھاتے نہیں منت
بے خونِ جگر داغ تو مرجھا ہی چلے تھے

دیکھا نہ کسو نے کوئی بارِ ثمر کا
ہوتا نہ اگر چشمہ مرے دیدۂ تر کا

کہسار پہ ہر سنگ یہ کہتا تھا پکارے
اے درد مقر ہوں ترے نالوں کے اثر کا

ٹھہر جا ٹک بات کی بات اے صبا
لے نہ جاوے حرص اہلِ فقر کو
رات جب پہنچا میں اس کے روبرو
کھل گیا جو کچھ کہ تھا۔ اے نیستی!

کوئی دم کو ہم بھی ہوتے ہیں ہوا
بچ سکے کب موجِ نقشِ بوریا
جوں زبانِ شمع گم تھا مدعا
ہستیِ موہوم کا یاں افترا

درد میری تیرہ بختی کے تئیں
ڈھونڈھیو ہمسایۂ ظلِ ہما

کھلا دروازہ میرے دل پہ اب یا دو عالم کا
بلند و پست سب ہموار ہے یاں ہی نگاہوں میں
گلستانِ جہاں کی دیکھ چشمِ عبرت سے
چمن میں باغباں سے صبح کو کہتی تھی یہ بلبل

نہ اندیشہ ہے شادی کا نہ مجھ کو فکر ہے غم کا
برابر ساز میں ہوتا ہے جوں سر زیر اور بم کا
کہ ہر اک سرو قد ہے اس چمن میں نخل ماتم کا
گلوں کے منہ پہ یوں چڑھتی ہے دیدہ دیدۂ شبنم کا

نہیں مذکور شاہاں درد ہرگز اپنی مجلس میں
کبھو کچھ ذکر آیا بھی تو ابراہیم ادہم کا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا

بس ہجومِ یاس سے جی گھبرا گیا
پردہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری — جی میں یہ کس کا تصوّر آ گیا
میں نے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات — پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا
پی گئی کتنوں کا لہو تیری یاد — غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

مٹ گئی تھی اُس کے جی سے تو جھجک
درد کچھ بک بک کے تو چونکا گیا

دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا — پر مُنہ پھر اس طرف نہ کیا اُس نے جو گیا
پھرتی ہے میری خاک صبا در بدر لیے — اے چشمِ اشکبار یہ کیا تجھ کو ہو گیا
آگاہ اس جہان سے نہیں غیر بیخوداں — جاگا وہی ادھر سے جو موند آنکھ سو گیا
طوفانِ نوح نے تو ڈبائی زمیں فقط — میں ننگِ خلق ساری خدائی ڈبو گیا
برہم کہیں نہ ہو گل و بلبل کی آشتی — ڈرتا ہوں آج باغ میں وہ تند خو گیا
واعظ کسے ڈرائے ہے یوم الحساب سے — گریہ مرا تو نامۂ اعمال دھو گیا
پھولے گی اس زباں میں بھی گلزارِ معرفت — یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا
آیا نہ اعتدال پہ ہرگز مزاجِ دہر — میں گرچہ گرم و سردِ زمانہ سمو گیا

اے درد جس کی آنکھ کھلی اس جہان میں
شبنم کی طرح جان کو اپنی وہ رو گیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا — برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ — کہ جس کو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا
یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں — کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں — ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا

تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

حجاب رُخ یار تھے آپ ہم ہی
کھلی آنکھ جب، کوئی پردا نہ دیکھا

شب و روز اے درد درپے ہو اُس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

نشہ کیا جانے وہ کہنے کو مے آشام ہے شیشا
جہاں میں دختر رز سے عبث بدنام ہے شیشا

صراحی و کدو تک خلق اے ساقی بھرے لے ہے
مگر اپنا ہی خالی جوں دل ناکام ہے شیشا

شب و روز اس طرح گزرے ہے اپنی تو نہ پوچھو کچھ
صراحی صبح کو گر ہاتھ ہے۔ تو شام ہے شیشا

نگاہ مست ان آنکھوں کی ٹک ادھر بھی ہو ساقی
کہ ہم کم حوصلوں کے حق میں ہر اک جام ہے شیشا

نہ ہو جوں گل شگفتہ کیونکہ دل اے درد مستوں کا
مے گلگوں کی دولت سر بسر گلفام ہے شیشا

تو بن کہے گھر سے کل گیا تھا
اپنا بھی تو جی نکل گیا تھا

اب دل کو سنبھالنا ہے مشکل
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا

آنسو مرے جو اُنھوں نے پونچھے
کل دیکھ رقیب جل گیا تھا

پھر ہونے لگا یہ دل تو بے چین
کتنے روزوں بہل گیا تھا

بارے پھر مہرباں ہوا ہے
بے طرح سے کچھ بچل گیا تھا

شب ٹک جو ہوا تھا وہ ملایم
اپنا بھی تو جی پگھل گیا تھا

میں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹ اس کا بھی درد ہل گیا تھا

یوں ہی ٹھہری کہ ابھی جائیے گا
پھر شتابی تو بھلا آئیے گا

جی کی جی ہی میں نہ رکھ جائیے گا
بات جو ہوگی سو فرمائیے گا

رُخ ہما۔ ابھی اگر پائیے گا
تو تو مُنہ اپنا بھی دکھلائیے گا

میں جو پوچھا کبھو آؤ گے کہا
جی میں آ جائے گا تو آئیے گا

کیونکہ گزرے گی بھلا دیکھوں ہوں
گر اسی طرح سے شرمائیے گا

میں خدا جانے یہ کیا دیکھوں ہوں
آپ کچھ جی میں نہ بھرمائیے گا

میرے ہونے پہ عبث رکتے ہو
پھر اکیلے بھی تو گھبرائیے گا

پوچھ کر حال تو پھر سُنتے نہیں
بس بکے اور نہ بکوائیے گا

کبھو ہم کو بھی بھلا کوچوں میں
پھرتے چلتے نظر آ جائیے گا

زلف میں دل کو تو اُلجھاتے ہو
پھر اسے آپ ہی سلجھائیے گا

خدمت اوروں ہی کو فرماتے ہو
کبھو بندے کو بھی فرمائیے گا

قتل تو کرتے ہو مجھ کو لیکن
بہت سا آپ ہی پچھتائیے گا

حرم و دیر تو ہم چھان چکے
کہیں اُس کا بھی نشاں پائیے گا

درد ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھائیے گا

پتا ہر کہیں غنچۂ دل سے ملا تھا
کل اُس کا گریباں و دستِ قضا تھا

تمنا مرخص ہوئی نا اُمیدی!
یہ کیا ہو گیا اور مرے دل میں کیا تھا

جو اس طرح غیروں سے ملتا پھرے ہے
کبھی تو ہمارا بھی وہ آشنا تھا

کہا میں مرا حال تم تک بھی پہنچا
کہا تب اچنبھا سا کچھ میں سُنا تھا

بُرائی تری کچھ نہیں بات کیا ہے
مرا دل ہی یہ میرے حق میں بُرا تھا

تم آکر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے
لگا ہوں میں جادو سا کچھ کر دیا تھا

بلائیں جو کچھ اُس کے ملنے سے دیکھیں
نہ ملتے تو ای درد اس سے بھلا تھا

اپنا تو نہیں یار میں کچھ یار ہوں تیرا
تو جس کی طرف ہووے طرفدار ہوں تیرا

کڑھنے پہ مرے جی نہ کڑھا۔ تیری بلا سے
اپنا تو نہیں غم مجھے غمخوار ہوں تیرا

تو چاہے نہ چاہے مجھے کچھ کام نہیں ہے
آزاد ہوں اس سے بھی گرفتار ہوں تیرا

تو ہووے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم
تو گل ہے مری جان تو میں خار ہوں تیرا

ہے عشق سے میرے ہی ترے حسن کا شُہرہ
میں کچھ نہیں پر گرمیِ بازار ہوں تیرا

میری بھی طرف تو کبھی آ جا مرے یوسف
بُڑھیا کی طرح میں بھی خریدار ہوں تیرا

ای درد مجھے کچھ نہیں اب اور تو آزار
اُس چشم سے کہدینا کہ بیمار ہوں تیرا

تو کب تئیں مجھ ساتھ مری جان ملے گا
ایسا بھی کبھو ہوگا کہ پھر آن ملے گا

چلیے کہیں اس جا پہ کہ ہم تم ہوں اکیلے
گوشہ نہ ملے گا کوئی میدان ملے گا

شکوہ نہیں اپنا تو عبث ہرزہ یہ بکنا
کچھ بات کہیں گے جو کوئی کان ملے گا

رو بیٹھے گا میری ہی طرح دین کو اپنے
کافر جو ترے ساتھ مسلمان ملے گا

نزدیک ہی پر اپنے بلانے سے کب آتے
مل جائے گا تو دور سے پہچان ملے گا

یوں وعدے ترے دل کی تسلی نہیں کرتے
تسکین تبھی ہووے گی تو جب آن ملے گا

ای درد کہا میں نے ملو جس سے کہ چاہو
کہنے لگا تجھ سا کوئی انسان ملے گا

سحر ہوتے ہی اُٹھ کر وہ جو گھر سے باہر نکلا
اُدھر ہی اتفاقاً پھرتے پھرتے میں بھی جا نکلا

مرے دل کو جو تو ہر دم بھلا اتنا ٹٹولے ہے
تصور کے سوا تیرے، بتا تو اس میں کیا نکلا

میں اپنا حال کہہ سارا جو پوچھا وعدہ آنے کا
کہا اُس سن کے سب باتوں کو آخر مدعا نکلا

مری تعریف کی تھی اس سے بعضوں نے جو وہ سن کے
لگا کہنے جو سنتے تھے وہ اپنا آشنا نکلا

ملے ہی درد اُس کے ساتھ تو دیکھا غریبی سے
گھمنڈ اُس کے جو تھا جی بیچ اب شاید گیا نکلا

ترے کہنے سے میں از بس کہ باہر ہو نہیں سکتا
ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا

کہا جب میں ترا بوسہ تو جیسے قند ہے پیارے
لگا تب کہنے پر قند مکرر ہو نہیں سکتا

دلِ آوارہ اُلجھے یاں کسو کی زلف سے یارب
علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا

مری بے صبریوں کی بات سن سب سے وہ کہتا ہے
تحمل مجھ سے بھی تو حال سن کر ہو نہیں سکتا

کرے کیا فائدہ ناچیز کو تقلیداً چھوں کی
کہ جم جانے سے کچھ اولا تو گوہر ہو نہیں سکتا

نہیں چلتا ہے کچھ اپنا تو تیرے عشق کے آگے
ہمارے دل پہ کوئی اور تو ڈر ہو نہیں سکتا

ق

کہا میں یوں تو مل جاتے ہو آکر بعد مدت کے
اگر چاہو تو یہ کیا تم سے اکثر ہو نہیں سکتا

لگا کہنے سمجھ اس بات کو ٹک تو کہ جلد اتنا
ترے گھر آنے جانے میں مرا گھر ہو نہیں سکتا

بچوں کس طرح میں اے درد اُس کی تیغ ابرو سے
کہ جس کے سامنے آ کوئی جاں بر ہو نہیں سکتا

جب تک ہے دل کے شیشے میں ننگ امتیاز کا
ہے اے پری تجھی تئیں آئینہ ناز کا

جس کی جناب سے یہ سبھی ناز ہیں نیاز
دامن ہے ہاتھ میں مرے اُس بے نیاز کا

ہے کوتہی اجل کی طرف سے ہی ورنہ میں
اک عمر سے اسیر ہوں زلفِ دراز کا

ای درد اس جہان میں اگر صد ہزار غیب
بے پردہ ہووے جس سے وہ پردہ ہی ساز کا

گل و گلزار خوش نہیں آتا
باغ بے یار خوش نہیں آتا

ای جنوں جیب میں ترے ہاتھوں
ایک بھی تار خوش نہیں آتا

کیا جفا کے سوا تجھے کچھ اور
ای ستمگار خوش نہیں آتا

درد ہم کو یہ رات دن تیرا
نالہ زار خوش نہیں آتا

بھرا مے سے نہیں یہ نور سے معمور ہی شیشا
تجلی پر نظر کر اس کی کوہ طور ہی شیشا

شتابی میکدہ میں آ کہیں تجھ بن کہ ای ساقی
پڑا ہی جام بے کیفیت و مخمور ہی شیشا

بغل میں ہی بیٹھا ہی لیئے یہ دختر رز کو
نہ پوچھو اس کو مینا، دانۂ انگور ہی شیشا

بچایا محتسب کے ہاتھ سے ای درد میں لیکن
مرے دل کی طرح میری بغل میں چور ہی شیشا

ای شانہ تو نہ ہو جو دشمن ہمارے جی کا
کہیں دیکھیو نہ ہووے زلفوں کا بال بیکا

پھیلا ہی کفریاں تک کا فر ترے سبب سے
شمع حرم بھی دے ہی ماتھے پہ اپنے ٹیکا

گزرا تھا بعد مدت وہ سامنے سے ہوکر
ای کوہی نالہ یہ وقت تھا کسی کا؟

جوں شمع تو نے جیدھر نظر اٹھا کے دیکھا
پروانہ وار جی ہی جاتا رہا کسی کا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا
عاشق پھر جی کے کیا کرے گا

اپنی آنکھوں اسے میں دیکھوں
ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

گر یہی ہے ڈھنگ تیرے ظالم
دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

اہل زمانہ آگے بھی تھے اور زمانہ تھا
پر اب جو کچھ ہے یہ تو کسو نے سنا نہ تھا

چٹکا عبث نہیں کوئی غنچہ چمن میں آہ
اے توسن بہار تجھے تازیانہ تھا

باور نہیں ابھی سے تجھے غافل عنقریب
معلوم ہووے گا کہ یہ عالم فسانہ تھا

حال یہ کچھ تو ہوا اب دل کی توانائی کا
کہ یہ طاقت نہیں لوں نام شکیبائی کا

اے شب ہجر نہیں ہے یہ سیاہی تیری
خون گردن پہ ترے ہے کسی سودائی کا

نام سنتا نہیں رہا ہے تری حرمت کا کوئی
شور ایسا ہے جہاں میں مری رسوائی کا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و میخانا
خیال زندگی بھر لے اپنا آپ ہی پیمانا

کسو سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حال ابتر کو
دل اس کے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا

نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجود خلائق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے کوئی سمجھے ہے بت خانا

اے شمع روز بسکہ ترا انتظار تھا
میں ایک سا ہی شعلہ صفت بے قرار تھا

ظالم یہ سینہ دل سپر تیر کب سے ہے
اس وقت سے بندھا ہے کہ تو نے سوار تھا

مدت کے بعد خط سے یہ ظاہر ہوا کہ عشق
تیری طرف سے حسن کے دل میں غبار تھا

وہ دن کدھر گئے کہ ہمیں بھی فراغ تھا
یعنی کبھو تو اپنے بھی دل کا دماغ تھا

جلتا ہے اب پڑا خس و خاشاک میں ملا
وہ گل کہ ایک عمر چمن کا چراغ تھا

گزروں ہوں جس خرابے پہ کہتے ہیں واں کے لوگ
ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا

رباعیات

کچھ کشش نے تری اثر نہ کیا
تجھ کو اک انتظار دیکھ لیا
تشنگی اور بھی بھڑکتی گئی
جوں جوں میں اپنے آنسوؤں کو پیا

زلفوں میں کسو کی جو گرفتار نہ ہوتا
کچھ کام مجھے تجھ سے شب تار نہ ہوتا
مرنا ہی لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ایک تو ہوں شکستہ دل تس پہ یہ جور یہ جفا
سختی عشق واہ وا! جی نہ ہوا ستم ہوا
جان کے بدلے میرے ساتھ وعدہ یک نگاہ تھا
سو بھی نہ تجھ سے ہو سکا مفت ہی جی لیا

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا
جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا
جوں غنچہ بجز اک دل صد چاک نہ پایا
منہ ڈال کے جب اپنے گریبان میں دیکھا

ناصح میں دین و دل کے تئیں اب تو کھو چکا
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا
زاہد کیا کرے ہے وضو گو کہ روز و شب
چاہے ہے کہ دل سے دھوئے کدورت سو دھو چکا

مذکور جانے بھی دو ہم دل تپیدگاں کا
احوال کچھ نہ پوچھو آفت رسیدگاں کا
موج نسیم گو ہے زنجیر بوئے گل کی
دامن نہ چھو سکے پر از خود رمیدگاں کا

افراد

دیکھ کر حال پریشاں عاشق ناشاد کا
یاں کے معشوقوں نے رسم نقاب دی ہے اٹھا

محبّت نے ہم کو ثمر جو دیا — سو یہ ہی کہ سب کام سے کھو دیا

شکوہ تجھے کس سے ہی گلہ کس سے یہ ٹھانا — مانند فلک اپنی ہی گردش ہی زمانہ

ہم نے چاہا بھی پر اس کوچہ سے آیا نہ گیا — واں سے جوں نقشِ قدم دل تو اُٹھایا نہ گیا

فلک پر کون کہتا ہی گزر آہِ سحر کرنا — جہاں جی چاہے واں پر جا ہی دل اپنی اثر کرنا

غل مری زنجیر نے رفتار میں پیدا کیا — حشر کو بھی شور جو ہونا نہ تھا برپا کیا

بیوپار خلق کرتی ہی اپنے کمال کا — یہ آئینہ ہی جلوہ فروش اُس جمال کا

خط کے آنے سے ہوا معلوم جانا حسن کا — تو خطوں نے اب نکالا پیش خانہ حسن کا

مخالف کٹ گئے سنتے ہی مجلس میں سخن میرا — زباں کا اب ہوا معلوم جوہر تیغ ہی گویا

بارے مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا — پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا

گلہ کرتا نہیں کچھ میں تری نامہربانی کا — مجھے شکوہ ہی اے ظالم اپنی سخت جانی کا

رسوا ہیاں اُٹھائیں جور و عتاب دیکھا — عاشق تو ہم ہوئے پر کیا کیا عذاب دیکھا

آشیانے میں دردِ بلبل کے
آتشِ گل سے آج پھول پڑا

ردیف (ب)

تھا عدم میں بھی مجھے اک پیچ و تاب — مضطرب ہوں جس طرح موجِ سراب

بے بضاعت ہیں سب اہلِ زرق برق — چشمۂ خورشید میں کیدھر ہی آب

موت ہی آسایشِ افتادگاں — چشمِ نقشِ پا کو مٹ جاتا ہی خواب

کیوں نہ ہو شرمندہ روئے زمیں — سیلِ اشک ایسا نہیں خانہ خراب

ہے تنک ظرفوں کو بیجا مے کشی
جامِ مے کب ہو سکے جامِ حباب

چل نہ جاویں ہائیں جو صاحب صلاح
پائے خم لغزش میں کب لاوے شراب

ہنستے ہیں کوئی کبھو دل مردگاں
گور کے لب پر تبسم کب حساب

مے کشاں کرنے لگے محنت کشی
درد ہوتا ہے دلِ یاراں کباب

ردیف (ت)

وہ مو کمر کہیں تو ہوا بے حجاب رات
تھا مثلِ زلف دل کو عجب پیچ و تاب رات

ہم روسیاہ دن کو تو کیا منہ دکھا سکیں
چوں شمع چاہتے ہیں کہ ہووے شتاب رات

تیری گلی میں اے بتِ بے مہر دن کی طرح
لایا تھا پھر مجھے دلِ خانہ خراب رات

واں تم تو اپنے خوش رہے ہو گئے پہ کیا کہوں
گزرا ہے میرے جی پہ جو کچھ یاں عذاب رات

تو شام سے جو اے مرے خورشید رو گیا
انجم کی طرح آیا نہ آنکھوں میں خواب رات

میرے گناہ اتنے ہیں کوئی شمار ہیں
اے درد میں نے جی میں کیا تھا حساب رات

زاہد اگر نہیں کی تو نے کسو سے بیعت
پیرِ مغاں کے ہاں کر دستِ سبو سے بیعت

زلفِ بتاں سے کہنا۔ ہے وقتِ دستگیری
اس سلسلہ میں کی ہے دل نے کبھو سے بیعت

گو کھینچ کھینچ چلّے جان اپنی شیخ کھووے
کوئی زندہ دل کرے ہے اس مردہ شو سے بیعت

ردیف (چ)

جا سیئے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ
اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

آئینہ کی طرح غافل کھول چھاتی کے کواڑ
دیکھ تو ہی کون بارے تیرے کاشانے کے بیچ

سیرِ باغِ بوستاں تو ہی میسّر ہر گھڑی
آ سکے گا ہے فقیروں کے بھی کاشانے کے بیچ

جو مرے ہیں مرگ ہیں سو ہم سے پوچھا چاہیئے
کون جانے آہ کیا لذّت ہی مرجانے کے بیچ

عقدۂ دل کھول مثلِ قطرۂ ناداں کب تلک
جوں گہر غلطاں رہے گا آبِ دردانے کے بیچ

پیچ و تاب اتنا جو ہی یاں سو دلِ صدچاک کو
زلف اُلجھی ہی کسو کی ظاہرا شانے کے بیچ

بخت خواب آلو نے میرے سلایا اس کو درد
ورنہ پھونکا تھا ہی افسوں میں نے افسانے کے بیچ

مذکور جب چلے ہی مرا انجمن کے بیچ
کچھ آپ ہی آپ سوچ وہ رہتا ہی من کے بیچ

اے بے خبر تو آپ سے غافل نہ بیٹھ رہ
جوں شعلہ یاں سفر ہی ہمیشہ وطن کے بیچ

تجھ کو نہیں ہے دیدۂ بینا وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہی آن کے ہر پیرہن کے بیچ

سو سو اگرچہ درد تو خاموش ہی ولے
جوں غنچہ سو زبان ہیں اس کے دہن کے بیچ

درد جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ
چھپ رہا ہوگا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

ردیف (ر)

کیونکر میں خاک ڈالوں سوزِ دلِ تپاں پر
مانند شمع میرا کب حکم ہی زباں پر

میں کس طرح بتوں کے لا سامنے جھکا دوں
دل تو دماغ اپنا کھینچے ہی آسماں پر

کب اختیار اپنا جوں گل ہی اس چمن میں
گلچیں سے کیا چلے ہی کیا زور باغباں پر

چاہے کہ بات جی کی منہ پر نہ پھر سے آئے
اپنے دہن کو لا کر رکھئے مرے دہاں پر

میں جانتا نہیں ہوں بیٹھے بٹھائے یارب
یوں آپڑی کہاں سے آفت یہ میری جاں پر

تارنگہ پہ دل یاں دونوں طرف سے دوڑے
دو نٹ مقابل آویں جس طرح ریسماں پر

اے درد یار جیسا ہووے سو ہی غنیمت
اتنا بھی جی نہ رکھیئے ہر وقت امتحاں پر

ساقی ہی چڑھا آج تو یہ رنگ گھٹا پر
شیشہ ہو گرے پھینکیئے گر سنگ ہوا پر

ہے اور ہی جلوے کی غرض یہ قلمونی
یہ قوس قزح کا نہیں نیرنگ ہوا پر

گھبرا کے دل تنگ جو کوئی سانس نکالے
اک دم میں ہو عرصہ تو ابھی تنگ ہوا پر

جوں کاغذ باد اہل ہوس پیچ میں ہیں گے
رہتی ہے سدا ان کے تئیں جنگ ہوا پر

مانند حباب آہ تنک ظرف جہاں کے
یاں کرتے ہیں سر کھینچنے کے ڈھنگ ہوا پر

ہر دم دل بیتاب مرا درد کرے ہے
جوں نغمہ نکل آئے گا آہنگ ہوا پر

اس قدر تھا یا کرم یا ظلم رانی اس قدر
مہربانی اس قدر نامہربانی اس قدر

جاں کو آنے دے لب تک نزع میں کیا بات ہوں
دشمنی مجھ سے نہ کر اے ناتوانی اس قدر

کیا کہوں دل کا کسو سے قصۂ آوارگی
کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

درد تو کرتا ہے معنی کے تئیں صورت پذیر
دست میں رکھتے تھے کب بہزاد و مانی اس قدر

مشہور خلق میں نہیں اپنے کمال کر
یکتا ہوں مثل آئنہ اور ہی جمال کر

آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھی تر ہوئیں نہیں
کاٹ تو ہی اے جبیں عرق انفعال کر

حیرت ہی یہ کہ تجھ سے ستمگر کے ہاتھ میں
آنکھوں نے دل کو کیونکہ دیا دیکھ بھال کر

ای درد کرٹک آئنۂ دل کو صاف تو
پھر ہر طرف نظارۂ حسن و جمال کر

فرد

ہنس قبر پہ میری کھل کھلا کر
یہ پھول چڑھا کبھی تو آ کر

ردیف (ز)

کیا ہوا مر گئے آرام ہی دشوار ہنوز
جی میں تڑپے ہی بڑی حسرتِ دیدار ہنوز
ہر لبِ زخم نمک سود ہی گو مثلِ سحر
شکوہ آلود نہیں پر لبِ اظہار ہنوز
کر چکا اپنی سی عیسیٰ بھی تو۔ پر کیا حاصل
ہیں گے ویسے ہی تری چشم کے بیمار ہنوز
موڑ یو منہ نہ ابھی سوزنِ مژگاں ہم سے
ٹانکے زخموں میں تو ہیں کتنے ہی درکار ہنوز
ہی خیال اس کی ہی نے لبوں کا دم آخر بھی
بندہ رہا ہی مری نظروں میں وہی تار ہنوز
ورنہ تو چھوٹ گئے مر کے بھی ای کنج قفس
ایک ہم ہی ہیں سے ہر طرح گرفتار ہنوز

یار جاتا تو رہا نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتی ہی مرے درد وہ رفتار ہنوز

لیتا نہیں کبھو دکی اپنے عناں ہنوز
پھرتا ہی کس تلاش میں یہ آسمان ہنوز
ہی بعدِ مرگ بھی وہی آہ و فغاں ہنوز
لگتی نہیں ہی تالو سے میری زبان ہنوز

موجود پوچھتا نہیں کوئی کسو کے تئیں
توحید تو بھی ہوتی نہیں ہے عیاں ہنوز

سو سو طرح کی ہجر میں جاتی ہے جاں کنی
مرتا نہیں ولے تو بھی تو میں سخت جاں ہنوز

ہر چند کہنہ سال ہے دنیا تو کس قدر
آتی ہے پر نظر میں سبھوں کی جواں ہنوز

کعبے میں درد آپ کو لایا ہوں کھینچکر
دل سے گیا نہیں ہے خیالِ بتاں ہنوز

رباعی

کوہ کن سے نہ بول اے پرویز
اس کے تیشہ کی بھی زباں ہے تیز

ساقی اب سب پُکارتے ہیں گے
تیرے ہاتھوں سے یانہ پر بریز

بر میں مرے وہ سیمبر آیا نہیں ہنوز
مقصود میرے دل کا بر آیا نہیں ہنوز

ردیف (س)

نہ کیا تو نے ایک بار افسوس
حال پر میرے صد ہزار افسوس

جو کہ ہونا تھا دل پہ ہو گزرا
نہ کر اے درد بار بار افسوس

ردیف (ط)

کرتا رہا میں دیدۂ گریاں کی احتیاط
پر ہو سکی نہ اشک کے طوفاں کی احتیاط

خارِ مژہ پڑے ہیں مری خاک پر ملے
اے دشت اپنے کیجیو داماں کی احتیاط

جوشِ جنوں کے ہاتھ سے فصلِ بہار میں
گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط

تیرے ہی دیکھنے کے لیئے آئنہ کی طرح
دل کے تئیں گرہ سے کبھو کھولتی نہیں

کرتا ہوں اپنے دیدۂ حیراں کی احتیاط
ہی زلف کو بھی اپنے پریشاں کی احتیاط

داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے درد پرورش
ہر باغباں کرے ہی گلستاں کی احتیاط

ردیف (غ)

لایا نہ تھا جو آج نہیں ہاتھ سوئے تیغ
وابستہ میرے قتل سے تھی آبروئے تیغ

ناچار مجھ سے اس سے تو قطع کلام ہی
کرتا نہیں وہ بات سوا گفتگوئے تیغ

کیجے نہ قتل اہلِ وفا جتنے ہیں یہ سب
بارے کہیں ٹھکانے لگے جستجوئے تیغ

جانباز اور بھی ہیں پر اے ابروانِ یار
میری طرح نہ ٹھیرے کوئی آبروئے تیغ

پیاسی مرے لہو کی وہ تنہی ہی دم بدم
بر لائیے کبھو تو میاں آرزوئے تیغ

کوئی مزا جداں نہ ہوا آج تک مگر
اک اس کی خوئے تند سے ملتی ہی خوئے تیغ

اے درد مثلِ زخم زمانے کے ہاتھ سے
دیکھا نہ آنکھ کھول کے ہم غیرِ روئے تیغ

ردیف (ف)

اے درد ایک خلق ہی جانانہ کی طرف
لازم ہی کھینچیے دلِ دیوانہ کی طرف

ردیف (ک)

پیغام یاس بھیج نہ مجھ بے قرار تک — ہوں نیم جان سو بھی ترے انتظار تک
دے وہ شراب ساقی کہ تا روزِ رستخیز — جس کے نشے کا کام نہ پہنچے خمار تک
صیاد اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو — پھر کس کو زندگی کی توقع بہار تک
بے قدر می کشی ہوئی عالم میں یاں تئیں — ہے صرفِ شیشہ شیخ کے سنگِ مزار تک

راہِ عدم میں درد میں اتنا ہوں جلد رو
پہونچا صبا کا ہاتھ نہ میرے غبار تک

رباعیات

پھرتا رہا میں سعی میں اک عمر جوں فلک — بختِ سیاہ پر نہ پھرے میرے اب تلک
چونکا ہوں درد جب سے اُسے دیکھ خواب میں — لگتی نہیں ہے تب سے پلک سے مری پلک

ہاں نہیں میرے تئیں کسی کا باک — اب گریباں ہے ہاتھ ہے اور چاک
گرد تو ہو گئے ترے عاشق — کیا ستم ہو زیادہ اس سے خاک

ردیف (ل)

کچھ دل ہی باغ میں نہیں تنہا شکستہ دل — ہر غنچہ دیکھتا ہوں تو ہے گا شکستہ دل
ہاتھوں سے محتسب کے ہیں اب میکدہ کے بیچ — ساغر شکستہ خاطر و مینا شکستہ دل

شادی کی اور غم کی ہی دُنیا میں ایک شکل — گل کو شگفتہ دل کہو تم یا شکستہ دل
یارب درست گو نہ رہوں تیرے عہد پر — بندہ سے پر نہ ہو کوئی بندا شکستہ دل
کی جس کی جوں حباب زمانے نے دل دہی — چھوڑا نہ پھر اُسے نہ کیا نا شکستہ دل
لازم ہی گوشۂ شکن زلف میں ترے — ظالم کوئی پڑا رہے مجھسا شکستہ دل

سب خون دل ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
ای درد بسکہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

بارے یہ داغِ عشق ہوا شہر یارِ دل — مدّت سے بے چراغ پڑا تھا دیارِ دل
تیری کہیں گلی کے گیا تھا خیال میں — کرتا ہوں اب تلک میں پڑا انتظارِ دل

اُٹھتا ہی بعد مرگ بھی مانند گرد باد
ای درد خاک سے مری ابتک غبارِ دل

ردیف (م)

حیراں آئینہ دار ہیں ہم — کس سے یارب دوچار ہیں ہم
پانی پر نقش کب ہوا ایسا — جیسے ناپائدار ہیں ہم
ساقی کیدھر ہی کشتیِ مے — اب کے کھیوے میں پار ہیں ہم
جی بھی پنپا کبھو نہ اپنا — اتنے زار و نزار ہیں ہم
اوروں کے گو ہیں سُرمۂ چشم — اپنے دل کے غبار ہیں ہم
کوئی کیونکر نظر میں لاوے — رشکِ چشمِ شرار ہیں ہم
آتش میں ہیں ـ پہ مثلِ شعلہ — از سر تا پا بہار ہیں ہم

چشمِ عبرت سے دیکھ ایدھر
جیدھر گزرے پھرے اُدھر سے
از بس کہ ہیں محوِ لا تعین
مجنوں ہو خواہ کوہکن ہو
اپنے ملنے سے منع مت کر
یوں تو عاشق بہت ہیں لیکن

نقشِ لوحِ مزار ہیں ہم
آوازۂ کوہسار ہیں ہم
ہر جائے اعتبار ہیں۔ ہم
عاشق کے دوستدار ہیں ہم
اس میں بے اختیار ہیں ہم
اس طور کے کتنے یار ہیں ہم

ق

مجنوں۔ فرہاد۔ دردؔ۔ وامق
ایسے یہ دو ہی چار ہیں ہم

ابھی ترے در سے گر گئے ہم
جوں نورِ نظر ترا تصوّر
جز اہلِ صفا بتا تو جوں عکس
کس نے یہ ہمیں بُھلا دیا ہے
تھا عالمِ جبر کیا بتائیں
جس طرح ہوا اُسی طرح سے

پھر یہ بھی سمجھ کہ مر گئے ہم
تھا پیشِ نظر جدھر گئے ہم
اے آئنہ کس کے گھر گئے ہم
معلوم نہیں کدھر گئے ہم
کس طور سے زیست کر گئے ہم
پیمانۂ عمر بھر گئے ہم

ق

افسوس کہ دردؔ اس کو جب تک
ہووے ہی خبر گزر گئے ہم

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی
ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر

تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم
اپنے تئیں آپ رو گئے ہم

ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا | پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

یاروں ہی سے درد ہے یہ چرچا
پھر کوئی نہیں ہے جو گئے ہم

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم | بہار باغ تو یوں ہی رہی لیکن کدھر شبنم
عرق کی بوند اس کی زلف سے رخسار پر ٹپکی | تعجب کی ہے جاگہ یہ پڑی خورشید پر شبنم
ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا | ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم
کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی | ہوئی آتش سے گل کی بیٹھتے رشک شرر شبنم
بھلا ٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیویں گے | کسی عاشق کے رونے سے نہیں رکھتی خبر شبنم
نہیں اسباب کچھ لازم سبکساروں کے اٹھنے کو | گئی اڑ دیکھتے اپنے بغیر از بال و پر شبنم
نہ پایا جو گیا اس باغ میں بھلا سراغ اس کا | نہ پلٹی پھر صبا ایدھر نہ پھر آئی نظر شبنم

نہ سمجھا درد ہم نے بھید یاں کی شادی غم کا
سحر خنداں ہے کیوں روتی ہے کس کو یاد کر شبنم

رباعی

کیا کہیں سوئے فنا کس طرح جاتے ہیں ہم | شمع کے مانند سر کے بل ادھر جاتے ہیں ہم
ہو کسے جوں شعلہ ظالم آہ تاب انتظار | جب تلک دیکھے ادھر تو یاں گزر جاتے ہیں ہم
خلق میں ہیں پر جدا سب خلق سے رہتے ہیں ہم | تال کی گنتی سے باہر جس طرح روپک میں سم

ردیف (ن)

کلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں | یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

بسانِ کاغذِ آتش زدہ مرے گلرو
ترے جلے بھنے اور ہی بہار رکھتے ہیں

یہ کس نے ہم سے کیا وعدۂ ہم آغوشی
کہ مثلِ بحر سراسر کنار رکھتے ہیں

ہمیشہ فتح نصیبی ہمیں نصیب رہی
جو کچھ کہ اپنے ہیں جی میں سو مار رکھتے ہیں

بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ!
سب اہلِ قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

جہاں کے باغ سوں ہم دل سا نہ پھل پایا
فقط یہی ثمرِ داغدار رکھتے ہیں

اگرچہ دخترِ رز کے ہے محتسب در پے
جو ہو سو ہو پر اسے اب تو یار رکھتے ہیں

برنگِ شعلہ غمِ عشق ہم سے روشن ہے
کہ بے قراری کو ہم برقرار رکھتے ہیں

ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگیِ مستعار رکھتے ہیں

فلک سمجھ تو سہی ہم سے اور گلوگیری
یہ ایک جیب ہے سو تار تار رکھتے ہیں

بتوں کے جبر اٹھائے ہزار ہا ہم نے
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

بھری ہے آ کے جنھوں میں ہوائے آزادی
حباب وار کلہ بھی اتار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں نہ شرر ہم نہ شعلہ نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

جنھوں کے دل میں جگہ کی ہے نقشِ عبرت نے
سدا نظر میں وہ لوحِ مزار رکھتے ہیں

ہر ایک سنگ میں ہے شوخیِ بتاں پنہاں
خنک ہیں سب یہ پہ دل میں شرار رکھتے ہیں

وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں رہتا
اگرچہ درد اسے ہم ہزار رکھتے ہیں

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گل تو مرے ساتھ اختلاط
پر آہ میں تو موجِ نسیمِ وزیدہ ہوں

چاہے ہے یہ مری تپشِ دل کے بعد مرگ
کنجِ مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

آہ مشتاق تمہے مفت موئے جاتے ہیں
اک نظر بھولے سے بھی ہوتے تو جی پاتے ہیں

گو سلامت ہیں بظاہر پہ دل کے خطرات
رات دن گھن کی طرح مرے تئیں کھاتے ہیں

تو بھی اے پائے طلب ٹک تو بھلا خواب سے چونک
اپنی ہی نوع سے ہیں کہ جو پہنچ جاتے ہیں

ہم سے بیکاروں سے بہتر ہیں یہ اہلِ اشغال
ہر طرح دل کے تئیں اپنے تو بہلاتے ہیں

درد کی طرح وہ ہو جاتے ہیں کچھ اور کے اور
تیرے از خود شدگاں جبکہ بخود آتے ہیں

گر دیکھیے تو مظہرِ آثارِ بقا ہوں
اور سمجھیے جوں عکس مجھے محوِ فنا ہوں

کرتا ہوں پس از مرگ بھی حلِ مشکلِ عالم
بے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں

ممنون مرے فیض کے سب اہلِ نظر ہیں
جوں نور ہر اک چشم کو دیدار نما ہوں

ہے آسترِ فقر اگر سمجھو تو شاہی
سلطاں ہے اگر شاہ تو میں ظلِ ہما ہوں

ہے مظہرِ انوارِ صفا میری کدورت
ہر چند کہ آہن ہوں پہ آئینہ بنا ہوں

احوالِ دو عالم ہے مرے دل پہ ہویدا
سمجھا نہیں تا حال پر اپنے تئیں کیا ہوں

آواز نہیں قید میں زنجیر کی ہرگز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں

ہوں قافلہ سالارِ طریقِ قدما درد
جوں نقشِ قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انھیں طرحوں میں ہم ہر دم فنا فی اللہ ہوتے ہیں

تقیدگاہِ امکاں میں ہے وہ کچھ بخششِ مطلق
کہ ہر واحد کو لاکھوں دام ہاں تنخواہ ہوتے ہیں

غرورِ حسن کم ہوتا نہیں کچھ خط کے آنے سے
کہ یہ سب مورچے[1] بھی سلیماں جاہ ہوتے ہیں

اگر جمعیتِ دل ہے تجھے منظور قانع ہو
کہ اہلِ حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں

پرکھیا درد کچھ مت کہہ ترقی اور تنزّل کا
کہ اپنے ذہن میں تو یاں گدا بھی شاہ ہوتے ہیں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں

بیزار ہے مجھ سے تو پہ مجھ کو
اب تک ہے وہی پیار جی میں

گل اب تو ملے ہے ہر خس کے لیکن
بلبل پہ چھپیں گے خار جی میں

یوں پاس بٹھا جسے تو چاہے
پر جاگہ نہ دیجو یار جی میں

کیا فائدہ درد شور و شر سے
اُپجے ہے جو کچھ سو مار جی میں

ہر چند تیری سمت سوا راہ ہی نہیں
تس پر بھی آہ یاں کوئی آگاہ ہی نہیں

کچھ مرتبہ ہے اور وہ فہمید سے پرے
سمجھے ہیں جس کو یارو وہ اللہ ہی نہیں

ہم بھی فلک سے کرتے کسو چیز کی طلب
ڈھونڈا پر اپنے دل میں تو کچھ چاہ ہی نہیں

انساں کی ذات سے ہی خدائی کے کھیل ہیں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں

سو رنگ سے ہیں جلوہ نما گو بتانِ خلق
اپنا ترے سوا کوئی دلخواہ ہی نہیں

گر کہتے ہو کہ ہے وہی ہادی وہی مُضل
تو راہ پر ہیں سب کوئی بے راہ ہی نہیں

اے درد مثلِ آئینہ ڈھونڈھا جس کو آپ میں
بیرونِ در تو اپنی قدم گاہ ہی نہیں

[1] چیونٹیوں کے نشانِ قدم ۱۲

ہستی ہی جب تک ہم ہیں اسی اضطراب میں
جوں موج ہاتھ پانوں ہیں عجب پیچ و تاب میں

نے خانۂ خدا ہی نہ ہی یہ بتوں کا گھر
رہتا ہی کون اس دل خانہ خراب میں

آئینۂ عدم ہی میں ہستی ہی جلوہ گر
ہی موج زن تمام یہ دریا سراب میں

غافل جہاں کی دید کو مفت نظر سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہی اس عالم کو خواب میں

ہر جز کو کل کے ساتھ بمعنی ہی اتصال
دریا سے دور جدا ہی پہ ہی غرق آب میں

پیری نے ملک تن کو لُٹا جاڑا دگرنہ یاں
تھا بند و بست اور ہی عہد شباب میں

میں اور درد مجھ سے خریداری بتاں
ہی ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہی جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینہ کے سامنے جب آکے ہو کریں

تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

نہ گل کو ہی ثبات نہ ہم کو ہی اعتبار
کس بات پر چمن ہوس رنگ و بو کریں

ہی اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر
ای درد آکے بیعت دست سبو کریں

بزلف بتاں کا گرفتار میں ہوں
یہ بیمار چشموں کا بیمار میں ہوں

کدھر بہکی پھرتی ہی ای بیکسی تو
تری جنس کا یاں خریدار میں ہوں

ادھر بات کہنا ادھر دیکھ لینا
سمجھتا ہوں سب ایک عیار میں ہوں

اگر مجھ سے ملیئے کبھو عیب کیا ہی
نہ بد وضع تو ہی نہ بدکار میں ہوں

کسو پر بلا تیری تیوری چڑھائے
تری تیغِ ابرو کا افگار میں ہوں

سبھی اپنے جینے سے ای درد خوش ہیں
اگر ہوں تو یہ ایک بیزار میں ہوں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جی بتنگ
جیتا رہے گا کب تئیں ای خضر مر کہیں

پھرتی رہی تڑپتی ہی عالم میں جابجا
دیکھا نہ میری آہ نے روے اثر کہیں

مدت تلک جہان میں ہنستے پھرا کیے
جی میں ہی خوب روئیے اب بیٹھ کر کہیں

یوں تو نظر پڑے ہیں تن افگار سیکڑوں
دل ریش کوئی آپ سا دیکھا نہ پر کہیں

ظالم جفا جو چاہے سو کر مجھ پہ تو ولے
پچھتاوے پھر تو آپ ہی ایسا نہ کر کہیں

پھرتے ہو سج بنائے تو اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں

ق

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
ای خانماں خراب ہی تیرا بھی گھر کہیں

کہنے لگا مکانِ معین فقیر کو
لازم ہی کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو ہر کہیں

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست
تو نے سُنا نہیں ہی یہ مصرع مگر کہیں

اُس کو سکھلائی یہ جفا تو نیں
کیا کیا ای مری وفا تو نیں

بیکسی کو عبث کیا بیکس
قتل کر مجھکو کیا لیا تو نیں

حال سُن سُن مرا لگا کہنے
میں سُنا کچھ نہ۔ کیا کہا تو نیں

ہم نہ کہتے تھے ہو جو مت عاشق
پائی دل اپنی کچھ سزا تو نیں

جی تو جی سے ترے رہا ہی دل
مُنہ لیا موڑ کیا ہوا۔ تو نیں

درد کوئی بلا ہی شوخ مزاج
اُس کو چھیڑا بُرا کیا تو نیں

بے زباں ہی بدہ زباں سوسن
یاوری دیکھئے نصیبوں کی
ساقی اس وقت کو غنیمت جان
وہ ز خود رفتہ ہوں کہ میرے تیئں
کیا کہوں اپنی میں سیہ بختی
بعد مدت کے درد کل مجھ سے
میری اُس کی جو لڑگئیں آنکھیں

ن

اس چمن میں کسے مجالِ سخن
دوست بھی ہوگئے مرے دشمن
پھر نہ میں ہوں نہ تو نہ یہ گلشن
نہ خیالِ سفر نہ یادِ وطن
حالِ دل تجھ پہ ہووے گا روشن
مل گیا راہ میں وہ غنچہ دہن
ہوگئے آنکھوں ہی میں دو دو بچن

باغِ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
دریائے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل
وابستہ ہی ہمیں سے گر جبر ہی وگر قدر
تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موج زن ہی
الفاظِ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے

گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں
گر وار ہیں تو ہم ہیں ور پار ہیں تو ہم ہیں
مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں
تس پر بھی تشنہ کام دیدار ہیں تو ہم ہیں
معنی کی طرح ربطِ گفتار ہیں تو ہم ہیں

اوروں سے تو گرانی اک لخت اُٹھ گئی ہی
ای درد اپنے دل کے گر بار ہیں تو ہم ہیں

جمع ہیں افرادِ عالم ایک ہیں
ہووے کب وحدت میں کثرت سے خلل

گل کے سب اوراق بر ہم ایک ہیں
جسم و جاں گو دو ہیں باہم ایک ہیں

نوعِ انساں کی بزرگی سے ٹک اک — حضرتِ جبریل محرم ایک ہیں
دال ہے اس پر ہی قرآں کا نزول — بات کی فہمید میں ہم ایک ہیں

متفق آپس میں ہیں اہلِ شہود
درد آنکھیں دیکھ باہم ایک ہیں

نہ ہم کچھ آپ طلب کی تلاش کرتے ہیں — جو کچھ کہ یاں ہے مقدر معاش کرتے ہیں
مثالِ عکس جو کوئی کہ پاک طینت ہیں — جہاں صفا ہے وہیں بود و باش کرتے ہیں
ہماری اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد — جو کچھ ہے دل میں ترے ہم وہ فاش کرتے ہیں
مزاجِ نازکِ دل سے اگر مکدر ہے — یہ آئینہ ہم ابھی پاش پاش کرتے ہیں

یہ تیرے شعر ہیں اے درد یا کہ نالے ہیں
جو اس طرح سے دلوں کو خراش کرتے ہیں

کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں — جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں
موت کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ہے — مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
دید وا دید جو ہو جائے غنیمت سمجھو — جوں شرر ورنہ ہم اے اہلِ نظر جاتے ہیں
آنکھیں اس بزم میں سینکی ہیں جنھوں نے ٹک بھی — شمع کی طرح گریباں لیے تر جاتے ہیں
بے ہنر دشمنیِ اہلِ ہنر سے آ کر — منہ پہ چڑھتے تو ہیں پر دل سے اتر جاتے ہیں
ہم کسی راہ سے واقف نہیں جوں نورِ نظر — رہنما تو ہی تو ہوتا ہے جدھر جاتے ہیں
اے رگِ ابر یہ مژگاں بھی اگر ٹک برسیں — ایک پل میں کئی تالاب تو بھر جاتے ہیں
آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز — لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں مٹنے کا دلِ عالم سے — درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

اپنی قسمت کے ہاتھوں داغ ہوں میں — نفسِ عیسوی چراغ ہوں میں
ہوں فتادہ برنگِ نقشِ قدم — رفتگاں کا مگر سراغ ہوں میں
دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر — آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں
میں ہوں گلچینِ گلستانِ خیال — آگ ہیں جس پہ باغ باغ ہوں میں

عینِ کثرت میں دید وحدت ہے
قید میں درد بافراغ ہوں میں

مرتا نہیں ہوں کچھ میں سخت دل کے ہاتھوں — پستا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں
نالاں نہیں ہے تنہا اس راہ میں جرس تو — روتے گئے ہیں کتنے یک لخت دل کے ہاتھوں
ہمت رفیق ہووے تو فقر سلطنت ہے — آتا ہے ہاتھ یعنی یاں تخت دل کے ہاتھوں
اے غنچہ تجھ سے آگے جو کچھ کہ تھا گرہ میں — گل یاں لٹا گئے ہیں کل لخت دل کے ہاتھوں

اے درد آہ پھر پھر آتا ہی ہے جی میں
پستا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں

جی نہ اٹھوں کہیں پھر میں جو تو مارے دامن — جھاڑ مت خاک پہ میرے یہ غبارِ دامن
دامنِ دشت ہی پُر لالہ و گل ہے یارب — خونِ عاشق بھی کہیں ہووے بہارِ دامن
ہم کہ دامن سے لگے ہیں نہ کہیں چھٹ جاویں — ہر گھڑی کھینچ نہ بے رحم کنارِ دامن
تار باندھا ہے مرے اشک نے یاں تک جوں شمع — ہے وہی تارِ گریباں وہی تارِ دامن
جب وہ چاہے ہے کہ دامن کو اٹھا کر چلیے — ہنس کے رکھتا مری گردن پہ ہے بارِ دامن
فرش آنکھیں تو کیں ہیں نے پہ میرے مژگاں — خارِ پا ہو دیں کسو کے نہ یہ خارِ دامن
درد تو کون ہے جو گرد بھٹکنے پائے — دورِ دامن ہے ترا صدقے نثارِ دامن

کیوں نہ ڈوبے رہیں یہ دیدۂ تر پانی میں
ہے بنا مثلِ حباب اپنا تو گھر پانی میں

اشک سے میرے فقط دامنِ صحرا نہیں تر
کوہ بھی سب ہیں کھڑے تا بہ کمر پانی میں

مردمِ دیدہ مرے اشک میں یوں بہتے ہیں
کب یہ گزران کرے اور بشر پانی میں

آتشِ مے سے جو ساقی نے لے بھڑکایا
زاہدِ خشک ہوا خوب ہی تر پانی میں

چشمۂ آب نہ ہو چشمۂ خورشید سے کم
شعلہ رو تو کبھو منہ دیکھے اگر پانی میں

جس طرف چاہوں چلوں پہ ہمہ بیاباں ہے
وہم کہتا ہے کہ اب پاؤں نہ دھر پانی میں

عالم آب میں جوں آئینہ ڈوبا ہی رہا
تو بھی دامن نہ کیا درد نے تر پانی میں

معلوم نہیں آنکھیں یہ کیوں پھوٹ بہی ہیں
رونے کی طرف کس لیے یہ ٹوٹ بہی ہیں

کشتی کی طرح آنکھیں مری اشک میں یا رو
جس تارِ نگہ سے بندھی تھیں چھوٹ بہی ہیں

میں مثلِ حباب آنکھیں تو رو رو کے بہا دیں
پر وہ یہی کہتا ہے سدا اچھوٹ بہی ہیں

سرسبز یہ کس جلوہ سے ہوئیں آنکھیں جو اتنا
دریا کی طرح کھیت مرا لوٹ بہی ہیں

اے درد مجھے سمجھ نہ ان آنکھوں کا بہنا
چھاتی کی طرح دل کو مرے کوٹ بہی ہیں

گھر تو دونوں پاس ہیں لیکن ملاقاتیں کہاں
آمد و رفت آدمی کی ہے پہ وہ باتیں کہاں

ہم فقیروں کی طرف بھی تو نگاہیں دم بدم
پھینکتے جاتے تھے آپ گئے وہ خیراتیں کہاں

بعد مرنے کے مرے ہوگی مرے رونے کی قدر
تب کہا تجھے گا لوگوں سے وہ برساتیں کہاں

یوں تو ہے دن رات میرے دل میں اس کا ہی خیال
جن دنوں اپنی بغل میں تھا سو وہ راتیں کہاں

جس طرح سے کھیلتا ہے وہ دلوں کا یاں تکا
درد آتی ہیں کسی لہر کیوں وہ گھاتیں کہاں

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ہے یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے گا تیرے سوا تو اگر نہیں تو جہاں نہیں

پڑی جس طرف کو نگاہ یاں نظر آگیا ہے خدا ہی واں
یہ ہیں گو کہ آنکھوں کی پتلیاں پر دل میں ہے جا بتاں نہیں

مرے دل کے شیشے کو بے وفا تو نے ٹکڑے ٹکڑے ہی کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا یہ دکانِ شیشہ گراں نہیں

مجھے رات ساری ہی تیرے یاں کٹے کیوں کہ روتے نہ شمع ساں
کہ نہ ہو سکے ہے کچھ اب بیاں وہ یہ بات ہے کہ زباں نہیں

کوئی نہ سمجھے کیونکہ یہ مدعا کہ پہیلی سا ہے یہ ماجرا
کہا میں تجھے نہیں چاہ کیا لگا کہنے مجھ سے کہاں نہیں

نہ ملا ہمیں کوئی نکتہ داں تو یہ بیت سناویں بھلا کہاں
نہ ہوا سبھوں پہ وہی عیاں جو کسی سے یاں تو نہاں نہیں

تجھے درد کیونکہ سناؤں میں نہ خدا کسی کو دکھائے یہ
جو کچھ اپنے جی پہ گزرتی ہے کہوں کیا کہ اس کا بیاں نہیں

دل کو لے جاتی ہیں معشوقوں کی خوش اسلوبیاں
ورنہ ہیں معلوم ہم کو سب انھوں کی خوبیاں

صورتوں میں خوب ہوں گی شیخ گو حورِ بہشت
پر کہاں یہ شوخیاں یہ طور یہ محبوبیاں

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

آپ تو تھیں ہی پر اس کا بھی کیا خانہ خراب
درد اپنے ساتھ آنکھیں دل کو بھی لے ڈوبیاں

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلہ کرتا نہیں
دل میں ہے وہ ہی وفا، پر جی وفا کرتا نہیں

سعیٔ بیجا مت کرو مہر و وفا وہ شوخ تو
جی کو ان باتوں سے ہرگز آشنا کرتا نہیں

کونسی شب ہے کہ مثلِ شمع جب کھلتی ہے آنکھ
جائے اشک آنکھوں سے اپنی خوں گرا کرتا نہیں

عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک
درد مرتا ہے کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن اِدھر اُدھر بھٹکتے ہیں
بتا وہ کون ہی جو تیری مجلس میں نہیں ہوتا

جہاں چاہیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں
مگر یہ ایک ہم ہی ہیں کہ نظروں میں کھٹکتے ہیں

نہیں معلوم کیا ہو گا یہ دل اُس زلف میں اُلجھا
جہاں ای دردؔ ایسے تو ہزاروں ہی اٹکتے ہیں

آہ پردہ تو کوئی مانعِ دیدار نہیں
ہم سے دلِ مردہ اگر رات کو جاگے تو کیا

اپنی غفلت کے سوا کچھ در و دیوار نہیں
چشم بیدار تو ہی پر دلِ بیدار نہیں

دردؔ یاں دو ہی پیالوں پہ قناعت کیجیے
خانۂ چشم ہی یہ خانۂ خمّار نہیں

ای ہجر کوئی شب نہیں جس کو سحر نہیں
دل لے گیا پر ایک نہ کی اس طرف نگاہ

پر صبح ہوئی آج تو آئی نظر نہیں
ایسا تو دلبروں میں کوئی مفت بر نہیں

کہہ کونسا ہی دامنِ صحرا جہان میں
ای دردؔ آنسوؤں سے جو تیرے وہ تر نہیں

مرے ہاتھوں کے ہاتھوں ہی عزیزاں
کھلا ہی بابِ عرفاں جس کے اوپر
صبا جاتا ہوں گریاں میں چمن سے

گریباں چاک ہی چاکِ گریباں
اُسے ہی ہر ورقِ گل کا گلستاں
گلوں کو باغ میں رکھیو تو خنداں

گرچہ ہم مُردہ دل ای جانِ جہاں جیتے ہیں
زندگی جس سے عبارت ہی سو وہ زیست کہاں
مر کے بھی وہ بات نہیں آتی نظر

تجھ بن ای دردؔ جو سمجھیں تو کہاں جیتے ہیں
یوں تو کہنے کے لیے کہیے کہ ہاں جیتے ہیں
جس توقع پہ کہ ہم اب تئیں یاں جیتے ہیں

دل تو سمجھائے سمجھتا بھی نہیں
کہیئے سودائی تو سودا بھی نہیں

اُس کی باتیں مجھ سے کیا پوچھو ہو تم
مدتیں گزریں کہ دیکھا بھی نہیں

داد کو تو پہنچنا معلوم ہے
کوئی یاں فریاد سنتا بھی نہیں

یوں تو سب باتیں نصیحت کی کہیں
پر اثر ہوتا ہے دل کے تئیں کہیں

جس کے بن دیکھے نہ نیند آتی ہمیں
خواب میں بھی دیکھئے اس کو نہیں

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

رباعیات

آگے ہی بن سنے تو کہتے ہو نہیں نہیں
تجھ سے ابھی تو ہم نے وہ باتیں کہیں نہیں

ہیں معنی بلند مرے عرش سے پرے
مت کہہ کہ بات درد کی کرسی نشیں نہیں

دو نگاہیں جو چار ہوتی ہیں
برچھیاں دل کے پار ہوتی ہیں

بے وفائی پہ اُس کی دل مت جا
ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں

اگر میں نکتہ رسی سے ترا دہاں پاؤں
کمر کو چاہوں تو اُس کے تئیں کہاں پاؤں

یہ رات شمع سے کہتا تھا درد پروانہ
کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

دل میں رہتے ہو پر آنکھوں دیکھنا مقدور نہیں
گھر سے دروازے تلک آؤ تو چنداں دور نہیں

چاہیئے دو تو جہاں جل جاویں اک شعلہ کے ساتھ
درد ایسی سرد آہیں عشق میں منظور نہیں

زلفوں میں تو سدا سے یہ کج ادائیاں ہیں
آنکھوں نے پر یہ اور ہی آنکھیں دکھائیاں ہیں

ہے اپنے جی میں جو کچھ، تم جانو یا نہ جانو
پر سب تمھاری باتیں اب ہم نے پائیاں ہیں

ق

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

دیکھ میرے ضعف کو کہنے لگا رو کر طبیب
کوئی دم کو یہ بھی اس کی ناتوانی پھر کہاں

ق

کب دہن میں ترے سمائے سخن
نہیں تیرے دہن میں جائے سخن

شعر میں میرے دیکھنا مجھ کو
ہے مرا آئنہ صفائے سخن

ق

کہیں ہوئے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں
ہے بے سبب نہیں ہم سے حجاب آنکھوں میں

کرے ہے مست نگاہوں میں ایک عالم کو
لیے پھرے ہے یہ ساقی شراب آنکھوں میں

ہر دم بتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں
ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

ایسا ہی غم نے تیرے پامال کر دیا ہے
کچھ دل رہا نہ دل میں نہ کچھ جگر جگر میں

اشعار متفرق

اس ذکر سے بھی مجھ کو کیا کام دل کے ہاتھوں
لیتا نہیں کسو کا میں نام دل کے ہاتھوں

نہیں ہم کو تمنا یہ ملک ہو تا فلک پہونچیں
یہی ہے آرزو دل کی ترے قدموں تلک پہونچیں

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کیے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لیے جاتا ہوں

افسوس اہل دید کو گلشن میں جا نہیں
نرگس کی گو کہ آنکھیں ہیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں شبابِ بے گناہی ہوں
موردِ رحمتِ الٰہی ہوں

ردیف (و)

مانع نہیں ہم وہ بتِ خودکام کہیں ہو
پر اس دل بیتاب کو آرام کہیں ہو

خورشید کے مانند پھروں کب تئیں یارب
رہتا صبح کہیں ہووے مجھے شام کہیں ہو

میخانۂ عالم ہی وہ بے ربط کہ جس میں
ہووے جو صراحی کہیں تو جام کہیں ہو

وعدے تو مرے ساتھ کیے تو نے ہزاروں
پر ایک بھی اُنہوں میں سرانجام کہیں ہو

ہر چند نہیں صبر تجھے درد ولیکن
اتنا بھی نہ ملیو کہ وہ بدنام کہیں ہو

کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہی کہ جس میں تو نہ ہو

ہووے نہ حول و قوت اگر تیری درمیاں
جو ہم سے ہو سکے ہی سو ہم سے کبھو نہ ہو

جو کچھ کہ ہم نے کی ہی تمنا ملی مگر
یہ آرزو رہی ہی کہ کچھ آرزو نہ ہو

جوں شمع جمع ہوویں گر اہلِ زباں ہزار
آپس میں چاہیئے کہ کبھی گفتگو نہ ہو

جوں صبح چاکِ سینہ مرا اے رفوگراں
یاں تو کسو کے ہاتھ سے ہرگز رفو نہ ہو

اے درد زنگ صورت اگر اس میں جا کرے
اہلِ صفا میں آئنۂ دل کو رو نہ ہو

سمجھنا فہم گر کچھ ہی طبیعی سے الٰہی کو
شہادت غیب کی خاطر تو حاضر ہی گواہی کو

نہیں ممکن کہ ہم سے ظلمتِ امکاں زائل ہو
چھڑا دے آہ کوئی کیونکہ زنگی سے سیاہی کو

عجب عالم ہی ادھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہی
ادھر سے نیستی آتی ہی دوڑی عذرخواہی کو

نہ رہ جائے کہیں تو زاہدا محروم رحمت سے
گنہگاروں میں سمجھا کر یو اپنی بے گناہی کو

نہ لازم نیستی اُس کو نہ ہستی ہی ضروری ہی
بیاں کیا کیجیے اے درد ممکن کی تباہی کو

مجلس میں بار ہوئے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دلِ داغ داغ کو

جاتی تو ہی تو زلف کے کوچہ کو ای صبا
پر دیکھیو جو چھیڑے کسی بے دماغ کو

بس بارِ دل زیادہ نہ ہو حسرتِ چمن
کیدھر لیئے پھرونگا میں گلگشتِ باغ کو

بلبل کی طرح رشتۂ الفت میں دیکھ دل
بندھوا نہ دیجیو کہیں یاں فراغ کو

کیا چھپ رہی ہی پردۂ مینا میں خشت ساز
روشن کر اپنے جلوہ سے چشم ایاغ کو

تمیز بے تمیزی عالم کرے ہی کب
نالے سے عندلیب کے یاں بانگِ زاغ کو

ای درد رفتہ رفتہ کیا آپ کو ہی گم
اس راہ میں چلا تھا میں کس کے سراغ کو

مست ہوں پیر مغاں کیا مجھ کو فرماتا ہی تو
پائے بوسِ خم کروں یا دست بوسی سبو

صبح اور خورشید کے مانند میری جیب کو
چاک کا موجب ہے تو ہی تو ہی اسباب رفو

ڈال دینا اس کو نت اہر طرح جوں قبلہ نما
پھرتے مجھے ہر پھر کے آ رہنا اسی کے روبرو

اور افردگی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی
خاک ہو لے نے کیا ہر ذرّہ گرم جستجو

تیری خوں آشنا میاں مشہور ہیں ای تیغِ ناز
ایک قطرہ چھوڑے تو ہووے ہمارا ہی لہو

جس طرح سے صبح کو ہوتا ہی بے رونق چراغ
دیکھ تجھ کو اڑ گیا گلشن میں گل کا رنگ و بو

اور ہوں آمادۂ میخوارگی یہ محتسب
سر اگر کاٹے انھوں کے محتسب مثلِ کدو

بات اہل و ید سے کرتے ہیں یاں روشن ضمیر
بت زبان شمع کو ہی چشم ہی سے گفتگو

صورتِ تقلید میں کب معنی تحقیق ہیں
رنگ گو ہی پر گلِ تصویر میں کیدھر ہی بو

سیکڑوں ہی تخم سے اس باغ میں نکلے نہال
تخم دل کی بر نہ آئی درد لیکن آرزو

ملاؤں کس کی آنکھوں سے کہو اس چشم حیراں کو
عیاں جب ہر جگہ دیکھوں کسی کے رازِ پنہاں کو

تجھے اے شمع کیا دیکھیں نہ ما نہ تو دکھاتا ہے
ہمیں جوں کاغذ آتش زدہ اوری چراغاں کو
نہ تنہا کچھ یہی اطفال دشمن ہیں دوانوں کے
بھرے ہے کوہ بھی دیکھا تو یاں پتھروں سے داماں کو
جھلکتے ہیں ستاروں کی طرح سوراخ سینے کے
چھپایا گو کہ جوں خورشید میں داغِ نمایاں کو
نہ واجب ہی کہا جاوے نہ صادق ممتنع اس پہ
کیا تشخیص کچھ ہم نے نہ ہرگز تشخصِ امکاں کو

نہ مطلب ہے گدائی سے نہ خواہش ہے شاہی کی
الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضیِ الٰہی ہو
نگینے کے سوا کوئی بھی ایسا کام کرتا ہے
کہ ہو نام اور کا روشن اور اپنی رو سیاہی ہو
نہیں شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تری ہرگز
گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

رباعیات

اے درد یہاں کسو سے نہ دل کو پھنسائیو
لگ چلیو سب سے یوں تو پہ جی مت لگائیو
میں دل کے ساتھ کب تئیں کشتی لڑا کروں
اب اختیار ہاتھ سے جاتا ہے آئیو

اپنے بندہ پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
پہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو
نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص ہووے
دوستاں درد کو مجلس میں تم یاد کرو

کہنا تک اشتیاق تو رفتارِ یار کو
آنکھوں میں کب تلک میں رکھوں انتظار کو
ویسا ہی اب تلک ہے وہ دامن تو اے صبا
کیدھر لیئے پھرے ہے تو میرے غبار کو

سررشتۂ نگاہِ تغافل نہ توڑیو
اے ناز اس طرف سے منہ اس کا نہ موڑیو
جاوے دلِ قفس سے یہ بے بال و پر کہاں
صیاد ذبح کیجو پر اس کو نہ چھوڑیو

دے لے جو کچھ کہ شیشے میں باقی شراب ہو
کہتا ہے آئینہ کہ نہیں ہے بعید اگر

ساقی ہے تنگ عرصۂ فرصت شتاب ہو
دوراں کے ہاتھ سے دل آہن بھی آب ہو

کبھو ہم نے نہ پایا مہرباں اے تند خو تجھکو
تمنائیں مبدل حسرتوں سے ہو گئیں دل میں

نہ دیکھا آنکھ بھر کے یکدم خورشید رو تجھکو
رہی تو بھی نہ ملنے کی ہمارے آرزو تجھکو

دلِ نالاں کو یاد کرکے صبا
نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ

اتنا کہنا جہاں شہ قاتل ہو
اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

فرد

میں نہیں کہتا کہیں تم دوست جایا کرو
بندہ پرور اس طرف کو بھی کبھو آیا کرو

ردیف (ہ)

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
ہم گلشنِ دوراں میں ای خفتگی طالع
ای شورِ قیامت وہ اودھر ہی کہتا ہوں
اور ویسے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں
مجھ پر بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا بارے
بدخواہ سبھی عالم کو ہووے تو ہو لیکن

گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ
سرسبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ
چونکے نہ ابھی یاں سے کوئی دلِ شوریدہ
ایدھر کو نظر کوئی پھینکی بھی تو دزدیدہ
زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ
یارب کسی کے ہوں دشمن یہ دل و دیدہ

کرتا ہے جگہ دل میں جوں ابروے پیوستہ
ای درد یہ تیرا تو ہر مصرعہ چسپیدہ

رکھتی ہے میرے غنچۂ دل میں وطن گرہ
تجھ سے نہ کھل سکے گی صبا یہ کٹھن گرہ

چشمِ کشادِ کار کسو سے نہیں مجھے
رکھتا ہوں میں بسانِ گہر جملہ تن گرہ

پہونچے گر اس طرف کو تری زلف کی شمیم
نافے ہی میں ہو نکہتِ مشکِ ختن گرہ

اپنی اگر گرفتہ دلی ذکر کیجیے
ہو سبحہ وار خاطرِ یک انجمن گرہ

ہر چند سعی میں ہی ہا ناخنِ ہلال
کھلتی ہی پر سپہر کی کوئی کہن گرہ

جب چاہیے کہ عقدۂ دل تجھ پہ کھولیے
ہوتا ہی آ زبان پہ میری سخن گرہ

تنگی سے تن کے جامہ کی ہوتا ہی دل خفا
ہی جوں حباب جان پہ یہ پیرہن گرہ

ہر چند کھولی تو نے تو پتھر کے جی سے گانٹھ
شیریں کے دل سے پر نہ کھلی کوہکن گرہ

کیونکر یہ کارِ عشق گرہ در گرہ نہ ہو
یاں دل گرہ کی شکل ہی اور واں دہن گرہ

جیتا کسی کو چھوڑے نہ یہ گانٹھ زہر کی
زلفِ سیہ وہ سانپ ہی جس کا ہی من گرہ

واشد کبھو تو درد کے بھی ساتھ چاہیے
بندِ قبا سے کھول ٹک ای گلبدن گرہ

ربط ہی نازِ بتاں کو تو مری جان کے ساتھ
جی ہی وابستہ مرا ان کی ہر اک آن کے ساتھ

اپنے ہاتھوں کے بھی میں تو ورکا دیوانہ ہوں
رات دن کشتی ہی رہتی گریبان کے ساتھ

جو جفا جو ہیں تمھیں سنگ دلی لازم ہی
کام تلوار کو رہتا ہی سدا سان کے ساتھ

گر مسیحا نفسی ہی، ہی مطرب، تو خیر
جی ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر اک تان کے ساتھ

درد ہر چند میں ظاہر میں تو ہوں مورِ ضعیف
زور نسبت ہی ولے مجھ کو سلیمان کے ساتھ

کاش تا شمع نہ ہوتا گزرِ پروانہ
تم نے کیا قہر کیا! بال و پرِ پروانہ

شمع کے صدقے تو ہوتے ابھی دیکھا تھا اسے
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثرِ پروانہ

گر ترا حسن برشتہ نظر آجائے اُسے
نت رہے آگ میں سوزِ جگرِ پروانہ

کیوں اُسے آتشِ سوزاں میں نے جاتی ہے
سوجھتا بھی ہے تجھے کچھ نظرِ پروانہ

ایک ہی جست میں لی منزلِ مقصود اُس نے
راہرو رشک کی جا ہے سفرِ پروانہ

شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے درد میں کس سے خبرِ پروانہ

دل پہ بے اختیار ہوکر آہ
تو ہی کہہ کب تلک نہ اُٹھے کراہ

خوش خرامی ادھر بھی کیجیئے گا
میں بھی جوں نقشِ پا ہوں چشم براہ

کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں دل میں
برچھی سی لگتی ہے وہ ترچھی نگاہ

جو ہوئے ہیں قرار آپس میں
میں ترا اور تو ہے میرا گواہ

جس پہ تقصیر وار تم سمجھو
ابھی ایسا تو کچھ نہیں ہے گناہ

ہنسنے اور بولنے کی باتیں کرو
نام اُس کا نہ لو کہاں ہے چاہ

دید وا دید رکھے جائیے گا
جب تلک ہو ملاپ خاطر خواہ

بت پرستی نہیں شعار اپنا
ہم کو ایسا نہ سمجھیو واللہ

شوخ تو اور بھی ہیں دنیا میں
یہ تیری شوخی کچھ عجب ہے واہ

ہر گھڑی کان میں وہ کہتا ہے
کوئی اس بات سے نہ ہو آگاہ

درد اپنی طرف سے حاضر ہے
آگے پھر ہے تمھارے ہاتھ نباہ

جوں جرس دل کے ساتھ میرے آہ
نہیں نالے سوا کوئی ہمراہ

قصۂ زلفِ یار کیا کہیئے
ہے دراز اور عمر ہے کوتاہ

درد درویش ہوں مری تعظیم
خلق کرتی ہے کہہ کے یا اللہ

دلِ سوا کس کو ہو اس زلف گرہ گیر میں راہ
ہے دوانوں کی طرح خانۂ زنجیر میں راہ

ہم سے بے جانوں سے شرمندہ دمِ عیسیٰ ہے
ہو صبا کے تئیں کب غنچۂ تصویر میں راہ

نالۂ دل! میں لیے تجھ کو پھرا شہر بہ شہر
آہ پر تو نے نہ کی آکے دلِ تاثیر میں راہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

آہن ہو یا ہو سنگ ہے سب جلوہ گاہِ یار
جوں آئینہ ہر ایک گذر میں صفا کو دیکھ

(ردیف ی)

اُس کی بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
فصلِ بہار جس کے ہاں ایک یہ گل فروش ہے

بخت سیہ برنگِ شب نت ہی گلیم پوش ہے
شمع بھی اپنے ہاں اگر ہے تو سدا خموش ہے

خلوتِ دل نے کر دیا اپنے حواس میں خلل
حسن بلائے چشم ہے، نغمہ وبالِ گوش ہے

ہوئے تو درمیاں آپ ہے اپنے تئیں اُٹھائیے
بار نہیں ہے اور کچھ سر ہی وبالِ دوش ہے

نالہ و آہ کیجیے خونِ جگر ہی پیجیے
عہدِ شباب کہتے ہیں موسمِ ناؤ نوش ہے

خیر ہے تجھے جو چاہیے بدرقۂ جنوں نہ چھوڑ
ہم نے جہاں کی سیر کی، رہزنِ خلق ہوش ہے

بے خبروں کو پھر کہیں دستِ قضا نہ چھیڑ تو
مثلِ دہل ہر ایک میں رنہ بھرا خروش ہے

غیرِ ملال نہ ابدا کیا ہے طریقِ زہد میں
دل ہو شگفتہ جس جگہ کوچۂ مے فروش ہے

اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
درد اگر لباس ہے دیدۂ عیب پوش ہے

آفتِ جان و دل تو یاں وہ بتِ خود فروش ہے — پہلے ہی جس کے پیش کش صبر و قرار و ہوش ہے

دل کو سیاہ مست کر کچھ بھی تجھے جو ہوش ہے — کہتے ہیں کعبہ اس کو اور کعبہ سیاہ پوش ہے

کس کی یہ ہوتی ہے صبا گفت و شنید باغ میں — غنچے سبھی دہان ہیں گل بھی تمام گوش ہے

آتشِ گل جنوں مرا گرم کرے سو یہ نہیں — سینہ ہمیشہ آگ ہے دل میں سدا ہی جوش ہے

حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سو کیا بلا — ہم کو سپہر مت ڈرا نیش بھی یاں تو نوش ہے

ہم نے تو ایک معصیت چاہی چھپے نہ چھپ سکی — اپنے گناہ کو ترا عفو ہی پردہ پوش ہے

آہ نہیں یہ ناتواں حال کرے سو کیا بیاں — منہ پہ ہے مہرِ خامشی دل میں بھرا خروش ہے

دور نہیں ہوا ہمیں رنجِ شعور ساقیا — اک دو سہ جام اور بھی باقی ابھی تو ہوش ہے

محنت و رنج و غم سے یاں دردؔ نہ جی چھپائیے
بار سبھی اٹھائیے جب تئیں سر ہے دوش ہے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے — سو گیا تھا جگا دیا کس نے

میں کہاں اور خیالِ بوسہ کہاں — منہ سے منہ یوں بھڑا دیا کس نے

وہ مرے چاہنے کو کیا جانے — یہ سندیسا سنا دیا کس نے

ہم بھی کچھ دیکھتے سمجھتے تھے — سب یکایک چھپا دیا کس نے

وہ بلانے سے بھاگتا تھا اور
دردؔ تجھ تک بلا دیا کس نے

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے — لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی — خطرہ جو ہے سو آئنۂ دل پہ زنگ ہے

حیرت زدہ نہیں ہے فقط تو ہی آئنہ — یاں تک بھی جس کی آنکھ کھلی ہے سو دنگ ہے

اِس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

گلگیر منہ پسار نہ تو شمع کی طرف
اُس کی زبان ہی اُسے کامِ نہنگ ہے

کب ہے دماغ عشقِ بتانِ فرنگ کا
مجھ کو تو اپنی ہستی ہی قیدِ فرنگ ہے

عالم سے اختیار کی ہر چند صلحِ کل
پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

میں کیا کہوں تجھے نظر آتا نہیں ہے کیا
اس گلشنِ جہان کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہے

غنچہ شگفتہ ہووے ہی ہووے کہ اس میں درد
دیکھا چمن میں جاکے تو کچھ اور ہی رنگ ہے

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیئے
پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دیئے

ہوں کشتۂ تغافلِ ہستیِ بے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اُس نے بھلا دیئے

روتی ہیں چشم اب تئیں یہ تیری داد خواہ
کتنے ہی تیغِ ابرو نے قضیے چکا دیئے

عنقا کی طرح جتنے تھے یاں نامورِ فلک
تو نے خدا ہی جانے کہ کیدھر اُڑا دیئے

پگھلا دلِ اثر نہ مرے حال پر کبھی
ہر چند روتے روتے میں نالے بہا دیئے

یارب یہ کیا خرام ہے جس نے اک آن میں
کتنے ہی مردے حشر سے آگے جلا دیئے

عالم میں جتنے پاک گہر تھے سو ایک ایک
اولے سے روزگار نے یوں ہی گھلا دیئے

صیاد کہتے ہیں کہ گرفتار یاں کئی
صدقے کر اپنے آج کسی نے چھڑا دیئے

ابرِ مژہ یہ چشم تو کیا ہے کہ گھر کے گھر
تو نے برس برس کے ہزاروں بٹھا دیئے

دونوں جہان کی نہ رہی پھر خبر اُسے
دو پیالے تیری آنکھوں نے جس کو پلا دیئے

اے شورِ حشر گردشِ دوراں نے اہلِ قبر
ٹک بھی نہ سونے پائے کہ وہیں جگا دیئے

چاہو وفا کرو نہ کرو اختیار ہے
خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اُٹھا دیئے

سیلابِ اشکِ گرم نے اعضا مرے تمام
اے درد کچھ بہا دیئے اور کچھ جلا دیئے

گر باغ میں خنداں وہ مرا لب شکر آوے
گل سامنے داماں سے منہ ڈھانپ کر آوے

قاصد سے کہو پھر خبر اودھر ہی کو لے جائے
یاں بے خبری آگئی جب تک خبر آوے

لوٹے ہے ترے گنج شہیداں کو غریبی
جی دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے

زاہد کو جتا دیجیو بیخود ہیں یہ رنداں
آنا ہے تو خودداری کو گھر میں ہی دھر آوے

کہتے ہیں کہ یکدست تری تیغ چلی ہے
تب جانیے جب اک دو قدم چل ادھر آوے

جوں خواب ہے وابستہ غفلت یہ تماشا
کھل جائے اگر آنکھ تو پھر کیا نظر آوے

اے طبع رواں تیری مدد ہووے تو شاید
اس بحر میں ہم سے بھی کوئی شعر تر آوے

مطلق بھی نہیں درد اضافت سے مبرا
عہدے سے تقید کے کوئی کیونکہ بر آوے

اذیت کوئی تیرے غم کی میرے جی سے جاتی ہے
کبھو ٹک دل کیا خالی تو پھر چھاتی بھر آتی ہے

سناؤں کیونکہ اپنا حال میں کیا سخت مشکل ہے
قصہ جب لگوں کہنے تو اس کو نیند آتی ہے

نہیں مشتاق آئینہ کے جو وہ صاف طینت ہیں
صفا تو عارضی ہے اور کدورت اس کی ذاتی ہے

قیامت سر زمین دل پہ میرے حشر برپا ہے
ہوس ہر دم تمنائیں تو یہ یہ کچھ اٹھاتی ہے

اگر آئینہ در چار آئینہ ٹھہرے نہ ہو سینہ
سپر ہوں تیر مژگاں کا سو یہ میری ہی چھاتی ہے

پر کھا نت یہی رہتا ہے مجھ کو درد کیا کہیے
کہ ایسی زندگی سی چیز یوں ہی مفت جاتی ہے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے
مشکل ہے جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے

نشو و نما کی کس کو امید اے بہاریاں
ہیں خشک شاخ ہوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

تحریک ہے یہ اس ید قدرت کی ہو کب
بے دست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے

مثلِ حباب جب کہ نظر سے گیا گیا
ہیں وہ غریق ہوں کہ نہ ڈوبا اچھل سکے

گرنے نہ دیویں خلق کی نظروں سے دل کو ہم
کوئی اگر کسو کے سنبھالے سنبھل سکے

روشن ضمیر جتنے ہیں سالم ہیں جوں نجوم
چرخ آسیا سے اپنی یہ دانے نہ دل سکے

کرتے عبث ہو شیشہ گراں سنگ کو گداز
پگھلائیے جو تم سے کوئی دل پگھل سکے

کہا اور بھی غزل کوئی اب اس ردیف میں
ای درد قافیہ کو اگر تو بدل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

میں وہ فتادہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقشِ قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

یا رب یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

گو بحث کرکے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

اخفائے راز عشق نہ ہو آبِ اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مستِ شرابِ عشق وہ بیخود ہے جس کو حشر
ای درد چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

قسم ہے حضرتِ دل ہی کے آستانے کی
ہوس ہو جی میں جو دیر و حرم کے جانے کی

طریق اپنے پہ اک دورِ جام چلتا ہے
وگرنہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی

کیا جگر کو مرے داغ تیرے وعدوں نے
خبر سنی جو کہیں میں کسو کے آنے کی

نظر نہ کیجیو تو میرے دل کے خطروں پر
جفا و جور اُٹھانے پڑے زمانے کے

نہ جی میں لائیو کچھ بات کیا دوانے کی
ہوس تھی جی میں کسو ناز کے اُٹھانے کی

طریق ذکر تو ہے درد یاد عالم کو
طرح بتائیے کچھ اپنے تئیں بھلانے کی

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے
جز وصل سو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے

وہ اشک نکلتا ہے مری چشم سے جس کا
ہر قطرہ کم از پارۂ الماس نہیں ہے

زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے

گزرا ہے بتا کون صبا آج ادھر سے
گلشن میں ترے پھولوں کی یہ باس نہیں ہے

بے فائدہ انفاس کو ضایع نہ کر اے درد
ہر دم دم عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

یاں عشق کے پردے میں چھپی دل شکنی ہے
ہر بزم طرب جوں مژہ برہم زدنی ہے

دل ٹکڑے کیا ہے یہ ترا کس کے لبوں نے
جو لخت ہے سو رشک عقیق یمنی ہے

کیا کام مجھے خوف و رجا سے کہ مرے پاس
ہے جان سو بیجان ہے دل ہے سو غنی ہے

تن پروری خلق مبارک ہو انھیں یاں
جوں نقش قدم اور ہی آسودہ تنی ہے

آگے جو بلا آئی تھی سو دل پہ ٹلی تھی
اب کے تو مری جان ہی پہ آن بنی ہے

اے درد کہوں کس سے بتا راز محبت
عالم میں سخن چینی ہے یا طعنہ زنی ہے

آتش عشق جی جلاتی ہے
یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے

تو ہی اور سیر باغ ہی ہر وقت
شام بھی ہو چکی کہیں اب تو
کچھ مناسب نہیں ہی کیا کہیئے
ٹک خبر لے کہ ہر گھڑی ہم کو

داغ ہیں اور میری چھاتی ہی
آشتابی کہ رات جاتی ہی
جی میں جو کچھ کہ اپنے آتی ہی
اب جدائی بہت ستاتی ہی

درد اس کی بھی دید کر لیجے
نوجوانی یہ مفت جاتی ہے

ہی غلط گر گمان میں کچھ ہی
دل بھی تیرا ہی ڈھنگ سیکھا ہی
بے خبر تیغِ یار کہتی ہی
ان دنوں کچھ عجب ہی میرا حال
اور بھی چاہیئے ، سو کہیئے اگر

تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہی
آن میں کچھ ہی آن میں کچھ ہی
باقی اس نیم جان میں کچھ ہی
دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہی
دلِ نامہربان میں کچھ ہی

درد تو جو کرے ہی جی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ہی

آرام سے کبھو بھی نہ یکبار سو گئے
خوابِ عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
اُٹھتی نہیں ہی خانۂ زنجیر سے صدا
تیری گلی ہی یا کوئی آرام گاہ ہی

ایسے ہمارے طالعِ بیدار سو گئے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
دیکھو تو کیا سبھی یہ گرفتار سو گئے
رکھتے قدم کے پاؤں تو ہر بار سو گئے

وے مر چکے جو رونقِ بزمِ جہان تھے
اب اُٹھیئے درد یاں سے کہ سب یار سو گئے

آج نالوں نے مرے نو ہی دل سوزی کی — زخم دل جتنے تھے یاں سب کی جگر دوزی کی
جی پہ رہتی ہو چڑھی زلف کسو کی میرے — اور تو کیا کہوں میں اپنی سیہ روزی کی
غیر بکتے ہیں عبث میرے پیارے تیری — بے وفائی نہیں محتاج بد آموزی کی
کیونکہ تشبیہ ترے ساتھ اُسے دے کوئی — شمع کو آتی نہیں طرح دل افروزی کی

شعر کی فکر بن آتی ہو اُسی سے جس کو
درد کی طرح کبھو فکر نہ ہو روزی کی

جوں سخن اب یادا ک عالم رہے — زندگانی تو چلی جا ہم رہے
تا ابد جوں قطرہ مجھسا منفعل — جس جگہ سجدہ کرے وہ نم رہے
بہ چلا آنکھوں سے دل ہو گداز — منہ پہ آکر جم رہے تو جم رہے
رک نہیں سکتی ہو یاں کی واردات — کب یہ ہوسکتا ہو دریا تھم رہے
ہو زمانہ وہ کہ مثل آسماں — جس کے آگے اہل رفعت خم رہے
ہم ہی اس وحشت سرا سے ہیں[1] اُداس — اور بھی جو آئے سو یاں کم رہے
ہو محال عقل زیر آسماں — حرص ہو جب دل میں وہ خرم رہے
کبک آتش کھا کرے یوں قہقہے — چیونٹیوں کے گھر سدا ماتم رہے

رکھ نفخت فیہ من روحی کو یاد
جب تلک اے درد دم میں دم رہے

بلبل نہ برآئے باغباں سے — گل کا بھی نہ کچھ چلے خزاں سے
لیتے ہیں مژہ سے کام ابرو — یہ تیر چلے نہ گو کماں سے
جوں غنچہ و بال دل ہی غافل — ہر خندہ کہ نکلے ہی دہاں سے

[1] نہیں

مانندِ صبا تری گلی میں — جو کوئی گیا پھرا نہ واں سے

ہے سیف زباں تری سیہ مست — کہہ ساغرِ چشم دل ستاں سے

وُہ ہیں وہ ہوا قلم کے مانند — جو حرف نکل گیا زباں سے

شب خوں کے لیئے فلک پھرے ہے — کھینچے ہوئے تیغ کہکشاں سے

ہر آن ہے واردات دل پر — آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے

بدنام کرے ہے دخترِ رز — مُغ اُس کو نکال نے یاں سے

ہے مثلِ چراغ دردؔ میرا
دشمن دمِ عیسوی بھی جان ہے

نہ ہاتھ اُٹھائے فلک گو ہمارے کینے سے — کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے

نہیں خیال مجھے خاتمِ سلیماں کا — برنگ نام ہوں برکندہ دل نگینے سے

بسانِ دانۂ انگور مے پرستوں نے — لیا ہے فیض مرے دل کے آبگینے سے

ترقی اور تنزّل کو یاں کے کچھ عرصہ — مثال ماہ زیادہ نہیں مہینے سے

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مرجائے — کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

مآلِ کار سمجھایا قصور نے ہم کو — یہ نقد مال لگا ہاتھ اُس دفینے سے

بسا ہے کون ترے دل میں گلبدن اے دردؔ
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی — حیف ہے اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دید وا دید ہوئی دور سے میری اُس کی — پر جو میں چاہا تھا سو بات نہ ہونے پائی

کون وہ بے سروساماں ہے کہ یاب جنہ تنک — جس کی خاطر کہیں برسات نہ ہونے پائی

(ق)

اُٹھ چلے شیخ جی تم مجلس رنداں سے شتاب
ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی

جی میں منظور تھی جو آپ کی خدمتگاری
سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

جی فنا ہو ہی گیا اک نگہِ گرم کے ساتھ
درد کچھ اور عنایات نہ ہونے پائی

فرصتِ زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

گو سراپا ہے آب آئینہ
اپنی آنکھوں میں چشم بے نم ہے

دلِ صدچاک ہے گلِ خنداں
شادی و غم جہاں میں توام ہے

دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے
دونوں عالم کا ایک عالم ہے

خیر و شر کو سمجھ کہ ہیں وہ زہر
سانپ کی زیست ہی تجھے سم ہے

مت عبادت پہ پھولیو زاہد
سب طفیلِ گناہِ آدم ہے

سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف
جس کے ہاتھ آوے جام سو جم ہے

اپنے نزدیک باغ ہیں تجھ بن
جو شجر ہے سو نخلِ ماتم ہے

نہ ملیں گے اگر کہے گا تو
تیری خاطر ہمیں مقدم ہے

دلِ عاشق کی بے قراری کو
وہ ہی سمجھے ہے جو کہ محرم ہے

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

دل مرا باغِ دل کشا ہے مجھے
دیدہ جامِ جہاں نما ہے مجھے

چشمِ نقشِ قدم ہوں ہیں سبکیں
خاک آنکھوں میں طوطیا ہے مجھے

مجھ سے ہر چند تو مکدّر ہے
تجھ سے پر اور ہی صفا ہے مجھے

کہیں خاموش ہو کہ مثل شمع
اے زباں تجھ سے ہی گلا ہے مجھے

پانوں لرزے ہے مست کی مانند
شیشۂ مے بھرا ملا ہے مجھے

ق

درد تیرے بھلے کو کہتا ہوں
یہ نصیحت سے مدعا ہے مجھے

ورنہ ان بے مروتوں کے لیے
اور بھی ہو خراب کیا ہے مجھے

بارے مرا شکوہ ہی بھلا کیجیے اُس سے
مذکور کسی طرح تو جا کیجیے اُس سے

جوں جوں وہ کھلے ہے تو یہی آتی ہے جی میں
پھر چھیڑیے اور باتیں سنا کیجیے اُس سے

سو مرتبہ یوں ٹھہر چکی اب نہ ملیے
ون بھی تو نہیں بنتی ہے کیا کیجیے اُس سے

بیزار اگر مجھ سے ہو مختار ہو بہتر
دل جس سے ملے اپنا ملا کیجیے اُس سے

ہم کہتے نہ تھے درد میاں چھوڑیے باتیں
پائی نہ سزا اور وفا کیجیے اُس سے

سرسبز تھا نیستاں میرے ہی اشکِ غم سے
تھے سیکڑوں ہی نالے وابستہ ایک دم سے

واقف نہ یاں کسو سے ہم ہیں نہ کوئی ہم سے
یعنی کہ آ گئے ہیں بہکے ہوئے عدم سے

میں گو نہیں ازل سے پر تا ابد ہوں باقی
میرا حدوث آخر جا ہی بھڑا قدم سے

گر چاہیے تو ملیے اور چاہیے نہ ملیے
سب تم سے ہو سکے ہے ممکن نہیں تو ہم سے

مشتاق گر ترا کچھ لکھے تو کیا عجب ہے
ہوں مثل نرگس آنکھیں پیدا ابھی قلم سے

ہر چند یہ تمنا در خور نہیں ہمارے
نزدیک تو جو آوے کیا دور ہے کرم سے

اب ہیں کہاں وہ نالے سرگشتگی کدھر ہے
تھیں سب وہ باتیں ثابت میرے ہی دم قدم سے

ہے اک نگاہ کافی گو ہووے گاہ گاہے
چنداں نہیں ہے مطلب عاشق کو بیش و کم سے

کاہے کو ہوتی ہم کو گردش نصیب طالع
گر پاؤں اپنا باہر رکھتے نہ ہم عدم سے

آتے ہیں دام میں کب خورشید رو کسو کے
ای شیخ یہ نہیں ہیں تسبیح کے سے شمسے

ہی درد پر بھی کچھ تو میری ہی سی مصیبت
گھیرے ہی اور ہی غم چھوٹے جو ایک غم سے

مرا جی ہی جب تک تری جستجو ہی
زباں جب تلک ہی یہی گفتگو ہی

خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا
میں بے صبر اتنا ہوں وو تند خو ہی

تمنا ہی تیری اگر ہی تمنا
تری آرزو ہی اگر آرزو ہی

کیا سیر سب ہم نے گلزارِ دنیا
گلِ دوستی میں عجب رنگ و بو ہی

غنیمت ہی یہ دید وا دید یاراں
جہاں آنکھ مند گئی نہ میں ہوں نہ تو ہی

نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہی

روندے ہی نقشِ پا کی طرح خلق یاں مجھے
ای عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

ای گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے

رہتی ہی کوئی بن کیے میرے تئیں تمام
جوں شمع چھوڑنے کی نہیں یہ زباں مجھے

پتھر تلے کا ہاتھ ہی غفلت کے ہاتھ دل
سنگِ گراں ہوا ہی یہ خوابِ گراں مجھے

کچھ اور کنج غم کے سوا سوجھتا نہیں
آتا ہی یاد جبکہ وہ کنج دہاں مجھے

جاتا ہوں خوش دماغ جو سن کر اسے کبھو
بدلے ہی وو ہیں نظریں وہ دیکھا جہاں مجھے

جاتا ہوں بس کہ دم بدم اب خاک میں ملا
ہی خضرِ راہ درد یہ ریگِ رواں مجھے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے

قدر مردوں کی سمجھنے کے نہیں یہ مایہ دار
جوہری واقف نہ ہووے جوہر شمشیر سے

دیکھنا تو آگے از خود رفتگاں کا حال تک
جا بجا سب پشت بر دیوار ہیں تصویر سے

منعم ایسے قصر لاکھوں مل گئے ہیں خاک میں
جز خرابی کے بنا کیا فائدہ تعمیر سے

درد اب ہنستے ہیں رونے پر مرے سب خاص و عام
کیا ہوئے وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ہم چشمی ہے وحشت کو مری چشم شرر سے
آتے ہی نظر پھر وہیں غائب ہو نظر سے

ای ہم وطناں اب کے یہ غربت زدہ ہرگز
پھرنے کا نہیں عمر کے مانند سفر سے

کیوں تیغ تری دشمنی کرتی ہے مرے ساتھ
مجھ کو تو نہیں کام کسو کی بھی کمر سے

جاؤں میں کدھر جوں گل بازی نہ مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ہے ادھر سے نہ اُدھر سے

کعبے بھی بھلا شیخ ترے ساتھ چلیں گے
ایدھر کو پھریں گے ہم اگر یار کے گھر سے

اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا رکے ہے
ای کاش یہ ابر مژہ دل کھول کے برسے

کھلتی ہے مری آنکھ جو احوال پہ اپنے
جوں شمع گھٹا جاتا ہوں میں اپنی نظر سے

ای سنگ جو کچھ تو نے کیا شیشے کے حق میں
کرتا ہے کوئی بھی یہ سلوک اپنے جگر سے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہ ہووے
تو کوئی نظر قابل دیدار نہ ہووے

سر رشتۂ الفت ہے بڑا شیخ و برہمن
یہ رشتہ بجز سبحہ و زنار نہ ہووے

گر قید ہی قسمت میں ہے کچھ اور ہو یارب
پر دل کسو دل سے تو گرفتار نہ ہووے

پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

دل! ویسے ستمگار سے اظہار محبت — ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

گر زندگی اس طور سے اے درد جہاں میں
خاطر پہ کسو شخص کے تو بار نہ ہووے

دیا ہے کس کی نظر نے یہ اعتبار مجھے — کہ ایک دم بھی نہیں اپنے پاس بار مجھے
سوائے تیرے کسو سے نہیں ہے واشد یاں — مثال آئنہ اے چشم انتظار مجھے
ہمیشہ اپنی نظر میں سبک میں رہتا ہوں — دیا ہے اوروں کی نظروں میں گو وقار مجھے
کبھو ہی جی میں نہ گزرا خیال سرتابی — برنگ سایہ بنایا ہے خاکسار مجھے
تمہارے وعدے بتاں خوب میں سمجھتا ہوں — رہا ہے ایسے ہی لوگوں سے کاروبار مجھے
یہ کون برق تجلی ہوا ہے آفت جاں — کہ ایک دم نہیں جوں شعلہ بے قرار مجھے
جفا و جور تو ظالم سبھی گوارا ہیں — مگر یہ رسم جدائی ہے ناگوار مجھے
یہ آپ ہی آپ کدھر تیوریاں بدلتے ہو — دکھائیے تو سہی منہ بھی ایک بار مجھے

اس امر میں بھی یہ بے اختیار ہے بندہ
ملا ہے درد اگر یاں کچھ اختیار مجھے

فرض کیا کہ ای ہوس یک دو قدم ہی باغ ہے — آپ کہیں کو اٹھیے سو کب یہ دل و دماغ ہے
دیکھیے جس کو یاں اسے اور ہی کچھ دماغ ہے — کرنگ شب چراغ بھی گوہر شب چراغ ہے
غیر سے کیا معاملہ آپ ہی ہیں اپنے دام میں — قید خودی نہ ہو اگر پھر تو عجب فراغ ہے
حال مرا نہ پوچھیے میں جو کہوں سو کیا کہوں — دل ہے سو ریش ریش ہے سینہ سو داغ داغ ہے
کھو نہ سکے کبھو خمار میرے نشے کی آبرو — دیدۂ آئینہ کی طرح تجھ سے بھرا ایاغ ہے
سنتے ہیں یوں کہ آہ تو ہم ہی میں چھپ رہا کہیں — اپنی تلاش سے غرض ہم کو تو اسراغ ہے

غفلتِ دل ہوئی مگر پنبۂ گوشِ خلق درد
بلبلِ داستان سرا ورنہ ہر ایک باغ ہے

اپنے تئیں تو ہر گھڑی غم ہے الم ہے داغ ہے
یاد کرے ہیں کبھی کب یہ تجھے دماغ ہے

جی کی خوشی نہیں گرو سبزہ و گل کے ہاتھ کچھ
دل ہو شگفتہ جس جگہ وہ ہی چمن ہے باغ ہے

کس کی یہ چشمِ مست نے بزم کو یوں چھکا دیا
مثلِ حباب سرنگوں شرم سے ہر ایاغ ہے

جلتے ہی جلتے صبح تک گزری اسے تمام شب
دل ہے کہ شعلہ ہے کوئی شمع ہے یا چراغ ہے

پایئے کس جگہ بتا اے بتِ بے وفا تجھے
عمرِ گزشتہ کی طرح گم ہی سدا سراغ ہے

سیرِ بہار و باغ سے ہم کو معاف کیجئے
اس کے خیالِ زلف سے درد کسے فراغ ہے

لحظہ بہ لحظہ یاں نیا داغ پر اور داغ ہے
تو بھی ادھر نگاہ کر ساحتِ سینہ باغ ہے

تیری نگاہِ مست نے سب سے یہ کی ہے میکشی
خون سے اپنے مثلِ گل ہم نے بھرا ایاغ ہے

دولتِ فقر کے حضور گرد ہے جاہِ سلطنت
کہتے ہیں جس کو یاں ہما اپنی نظر میں زاغ ہے

اس کے خیالِ زلف نے سب سے ہمیں چھڑا دیا
گرچہ پھنسے ہیں ہم ولے دل کے تئیں فراغ ہے

ہم نے کہا بہت اسے پر نہ ہوا یہ آدمی
زاہدِ خشک بھی کوئی سخت ہی خر دماغ ہے

اہلِ نظر کو رہنما درد نہیں ضرور کچھ
مثلِ شرر وہی ہے چشم اور وہی چراغ ہے

پھنسیئے کسی کی زلف میں کب ہمیں فراغ ہے
لیجئے بوئے شمیم سے سو بھی کہاں دماغ ہے

شعلۂ دل کو ہر گھڑی اے دمِ یاس مت بجھا
اپنی بساط میں تو یاں ایک ہی چراغ ہے

ہووے رقیبِ روسیہ آپ کے ساتھ جا بجا
کچھ بھی ہے ربط سمجھیے ہمرہِ کبک زاغ ہے

؎ میدان

قصد ہی جس طرح بنے پہونچیے آپ تک کہیں
دن بھی یہی ہی جستجو رات یہی سراغ ہی

دردؔ وہ گل بدن مگر تجھ کو نظر پڑا کہیں!
آج تو اس قدر بتا کس لیے باغ باغ ہی

پہلو میں دلِ تپاں نہیں ہی
ہر چند کہ یاں ہی یاں نہیں ہی

عالم ہو قدیم خواہ حادث
جس دم نہیں ہم، جہاں نہیں ہی

ڈھونڈے ہی تجھے تمام عالم
ہر چند کہ تو کہاں نہیں ہی

عنقا کی طرح میں کیا بتاؤں
جز نام مرا نشاں نہیں ہی

جز شمع نہ راز دل کہوں گا
ایسی بھی مری زباں نہیں ہی

وعدے پہ ہو کیونکہ یاں تسلی
ہرگز یہ مجھے گماں نہیں ہی

فریاد کہ دردؔ جب تلک میں
تیار ہوں، کارواں نہیں ہی

عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہی
پر یہ لذت تو وہ ہی جی ہی جسے پاتا ہی

آہ کب تک میں بکوں تیری بلا سنتی ہی
باتیں لوگوں کی جو کچھ دل مجھے سنواتا ہی

ہم نشیں پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھسے
کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا ہی

بات کچھ دل کی ہمارے تو نہ سلجھی ہم سے
آپ ہی خوش ہوا پھر آپ ہی گھبراتا ہی

جی کڑا کر کے ترے کوچے سے جب جاتا ہوں
دلِ دشمن یہ مجھے گھیر کے پھر لاتا ہی

راہ پینڈے کبھو اس شوخ کے تئیں دیکھے بھی
دیدہ وادید تو ہوتی ہی جو جل جاتا ہی

دردؔ کی قدر مرے یار سمجھنا واللہ
ایسا آزاد ترے دام میں یوں آتا ہی

یہ تحقیق ہے یا کہ افواہ ہے
کہ دل کے تئیں دل سے یاں راہ ہے

اگر بے حجابانہ وو بُت ملے
غرض پھر تو اللہ ہی اللہ ہے

عدم رفتگاں کو جو کہنا ہے کچھ
تو قاصد ہمارا سرِ راہ ہے

نہ یاں علم و دانش نہ فضل و ہنر
فقط ایک دل ہے کہ آگاہ ہے

گئے نالہ و آہ سب ہم نفس
دمِ سرد ہی اک ہواخواہ ہے

خدا اُس کو رکھے سلامت رہے
خبرگیرِ دل گاہ بے گاہ ہے

یہ کیا درد تجھ پر مصیبت پڑی
کہ دن رات نالہ ہے اور آہ ہے

دشنام دے ہے غیر کو تو جان کر مجھے
پیارے یہ لطف کیجیے پہچان کر مجھے

کل کی طرح سے آج بھی اب نیند آچکی
گھیر اُسی خرابی نے پھر آن کر مجھے

کہتا ہے اک نگاہ پہ آئینہ رو مرا
بس اور اب زیادہ نہ حیران کر مجھے

آنا بہ بندہ خانہ۔ اگر تجھ کو عار ہے
دولت سرا میں اپنے ہی مہمان کر مجھے

ہوں روبروئے چشم تو ہیں سرمہ در گلو
پر کبھو زلف سے نہ پریشان کر مجھے

صدقے ترے ہیں کب تئیں تڑپا کروں عبث
ہے روزِ عید آج تو قربان کر مجھے

ہیں شعر فہم جتنے زمانے میں لاعلاج
اے درد مانتے ہیں یہ سب آن کر مجھے

یاں غیب کے جلوہ کے تئیں جلوہ گری ہے
جو شخص کہ گزرے ہے نظر سے نظری ہے

گر ناز کی عشق تجھے رنگ دکھاوے
ہر سنگ میں شیشہ ہے۔ ہر شیشہ پری ہے

جوں شیشۂ ساعت ہیں تنک ظرف جہاں کے
واں دل میں کدورت ہے تو یاں باد بھری ہے

سو طرح سے دیتے ہیں اُسے پیچ ہنرمند
دل تنگ ہی ہے غنچہ دل منہ نہ کھلانا
ہے جوں مہ و خورشید زر و سیم میسّر

مجھ سے نہیں ملتا یہ مری بے ہنری ہے
جوں نکہت گل اس میں تری پردہ دری ہے
تو بھی تو حریصوں کے تئیں دربدری ہے

لیتا ہے خبر وہ تو سبھی خلق کی لیکن
اپنے تئیں اے درد بہت بے خبری ہے

مجکو تجھ سے جو کچھ محبت ہے
لوگ کہتے ہیں عاشقی جس کو
بند احکام عقل میں رہنا
ایک ایمان ہے بساط اپنی

یہ محبت نہیں ہے آفت ہے
ہیں جو دیکھا بڑی مصیبت ہے
یہ بھی اک نوع کی حماقت ہے
نہ عبادت نہ کچھ ریاضت ہے

آ پھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں
درد یہ بھی خدا کی قدرت ہے

گل اگر سنکہ ہوئے [illegible] پہ کچھ کہکر گئے
چند مدت [illegible]
[illegible]
[illegible]

بلبلو کتنے ہی غنچے راز دل تہ کر گئے
پیش ازیں یک چند اس بستی میں ہم رہ کر گئے
پر نہیں معلوم بخت دل کا در پہ کر گئے
زعم میں اپنے سلاطین آپ کو شہ کر گئے

کشتگان عشق کو ملیو خدا سے خوب درد
سخت صدمے یہ بتوں کے ہاتھوں یاں سہہ کر گئے

[illegible]
درد چمکتا ہے

شخص و عکس اس آئینہ میں جلوہ فرما ہو گئے
اس نے دیکھا آپ کو ہم اس میں پیدا ہو گئے

آئے تھے اس مجمع میں قصد کر کے دور سے — ہم تماشے کے لئے آپ ہی تماشا ہو گئے
شیخ صاحب کچھ نہ پوچھو خلق ہے وہ پُر فساد — جس میں یاں اصلاح سے ہی فتنے برپا ہو گئے
آہ وہ وہ شخص جو دیتے تھے خبر غیب کی — ڈھونڈتے پھرتے ہیں ان کو لوگ وہ کیا ہو گئے

دل ہی کچھ تنہا خفا ہو کے نہ یاں سے پھر گیا
ہم بھی تو اے درد چلنے کو مہیا ہو گئے

تہمتِ چند اپنے ذمے دھر چلے — جس لئے آئے تھے ہم سو کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا — ایک دم آئے ادھر اودھر چلے
دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس — تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے
آہ! بس جی مت جلا تب جانیے — جب کوئی افسوں ترا اُس پر چلے
ایک میں دل ریش ہوں ویسا ہی دوست — زخم کتنوں کے سُنا ہے بھر چلے
شمع کے مانند ہم اس بزم میں — چشم نم آئے تھے دامن تر چلے
ڈھونڈتے ہیں آپ سے اُس کو پرے — شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے
ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے — وہ ہی آڑے آگیا جیدھر چلے
ہم جہاں میں آئے تھے تنہا ولے — ساتھ اپنے اب اُسے لیکر چلے
جوں شرر اے ہستیِ بے بود یاں — بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے
ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

بات جب آن دان پڑتی ہے
تب کہیں تیرے کان پڑتی ہے

آتش عشق قہر آفت ہے
ایک بجلی سی آن پڑتی ہے

آخر الامر آہ کیا ہوگا
کچھ تمہارے بھی دھیان پڑتی ہے

بات بڑھتی ہے دل پہ جو آخر
خلق کی پھر زبان پڑتی ہے

میرے احوال پر نہ ہنس اتنا
یوں بھی اے مہربان پڑتی ہے

شعر ہے اور درد ہے یعنی
بات میں اور ہی جان پڑتی ہے

اک آن سنبھلتے نہیں اب میرے سنبھالے
بے طرح کچھ ان آنسوؤں نے پاؤں نکالے

جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا دیکھیں گے ناچار
صدقے ترے اک بار تو منہ اپنا دکھا لے

ایسے سے کوئی اپنے تئیں کیونکہ بچاوے
دل زلفوں سے بچ جائے تو آنکھوں سے چرا لے

وہ سرخ لباس اس کے گلے میں نظر آیا
جس کے ہیں ہر دل میں پڑے اب تئیں لالے

کب تجھ پہ گزرتا ہے کبھو میرا سا احوال
یوں چاہے سو تو اور بھی کچھ باتیں بنا لے

کیا جانیے کس دل کے تئیں آہ ڈسیں گے
زلفوں نے تو بے طرح یہ اب چھوڑے ہیں کالے

پھر آگے قیامت ہے اگر اب بھی نہ آوے
مر مٹ کے جدائی کے دن اتنے تو ہیں ٹالے

ابرو نے تری جس طرف اب تیغ سنبھالی
مژگاں نے وہیں کر دیے تب سامنے بھالے

وعدے کی تو مدت نہ کہی درد کچھ اس نے
اس غم کو بھلا کہیے کوئی کب تئیں ٹالے

غیر جو بے فائدہ ہاتھوں پہ گل کھایا کیے
ہم بھی ناحق داغ اپنے دل کے دکھلایا کیے

دل کی قاتل جانے مجھے شکوہ تو ملنے کا نہیں
گاہ گاہے پاس میرے آپ تو آیا کیے

دن تمہارے تو کٹے بارے خوشی سے ہر طرح
ہم بلا سے یاں ٹپے راتوں کو گھبرایا کیجئے
دل برا ہوتا ہے کوئی تجھ سے پڑے یوں ہی عبث
ہم سدا غیروں سے ملنا سن کے گھبرایا کیجئے
چین تو ہم کو نہ آیا ایک ساعت اس بغیر
رات دن ہر چند اپنے دل کو بہلایا کیجئے
دیکھنے پاتا نہیں ہے کوئی جس کی چھاؤں یاں
لے چلی ہے آج ہم کو وہ پری سایا کیجئے
اپنے دروازہ تلک بھی وہ نہ آیا ایکبار
ہر گھڑی اٹھ اٹھ کے ہم جس کیلئے جایا کیجئے
یا تو وہ راتیں تھیں یا یہ کچھ دنوں کا پھیر ہے
ہاتھ اب لگتے نہیں تب پاؤں دبوایا کیجئے

تب ہمارے اس کے اب تک یوں نہیں تھی دوریاں
بات ایسی ویسی ہم خاطر میں کم لایا کیجئے

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے
بس اب اک ساتھ ہم دونوں جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھے
بساط اپنی میں ہم تھے آپ سو اب تو نہیں ملتے
نہ تھا کچھ اور اپنے پاس جس کو کہیئے کھو بیٹھے
نہ پوچھو کچھ ہمارے ہجر کی اور وصل کی باتیں
چلے تھے ڈھونڈھنے جس کو سو وہ ہی آپ ہو بیٹھے
وفا کی چھینٹ بھی تجھ پر پڑی ہرگز نہ ہی ظالم
لگا تھا خون داماں سے سو وہ بھی آپ دھو بیٹھے

نہ اٹھو دردؔ اپنے بستر سے طمع کر ہرگز
جو کچھ یوں غیب سے آوے سو تم البتہ لو بیٹھے

جو یاں دو چاہنے والے قریب یک دگر بیٹھے
ہم اپنا دل بغل میں داب لیکر آہ کر بیٹھے
نہ پوچھو عشق کی شورش نے عالم میں کیا کیا کیا
عجب طوفاں اٹھائے یہ کہ جس سے گھر کے گھر بیٹھے
محبت نے تمہارے دل میں بھی اتنا تو سر کھینچا
قسم کھانے لگے تب ہاتھ میرے سر پہ دھر بیٹھے
کوئی دن اور بھی ہم کو پھرائے گردش دوراں
نہیں اٹھنے کے پھر ہرگز کہیں اب کے اگر بیٹھے
نہ آتا تھا بھرا جی ہیں سو اب تو کچھ کرو خالی
کہ دن جتنے تھے وعدوں کے نہ ملنے سے ہی بھر بیٹھے

پڑیکھا کس لیے اتنا کوئی جانے جو کچھ جانے
سدا رہتے ہیں یوں تو لوگ یاں ادھر ادھر بیٹھے

کوئی بیٹھا اُس گنے یاں جا بیٹھے ہو اس طرح جا بیٹھی
چلے تھے ہر گھڑی اُٹھ اُٹھ کے ہم اے درد پر بیٹھے

کبھو تو بے وفائی یاد آ جی کو ڈراتی ہے
چھلاوا سا جو ہو جاتا ہے جلوہ وصل کا گاہے
کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا
اگر رستم ہو تو بھی کب یہ صدمہ تھم سکے اس سے

کبھو امید وعدوں کی بھرتے یاں دلاتی ہے
جدائی پھر تو اک مدت عوض کیا کیا دکھاتی ہے
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے
تپش دل کی سنبھالوں کیونکہ یہ میری ہی چھاتی ہے

پھرے ہے اس طرح جو آج تو اے درد بیخود سا
بتا ہم کو بھی ٹک یارے وہ کیا آفت کر آتی ہے

ہر گھڑی ڈھانپنا چھپانا ہے
وصل سے بھی تو سیری ہوتی ہے
دل لگاؤ کہ یا گلے ہی لگو
ترچھی نظروں سے دیکھنا ہر دم
یہی اپنی بھی گوں کی باتیں ہیں
واہ رے یہ زبان کی تیزی

الغرض ٹو بٹو دکھانا ہے
کہیں اس بات کا ٹھکانا ہے
داؤ ہی لگئے جو لگانا ہے
یہ بھی اک بانکپن کا بانا ہے
آہی جانا جدھر کو آنا ہے
ہر طرح کچھ نہ کچھ سنانا ہے

دیکھیو کیجیو نہ بے دردی
درد کو بھی تو منہ دکھانا ہے

دل تجھے کیوں ہے بے کلی ایسی
کون دیکھی ہے اچپلی ایسی

سب بُرا کہتے ہیں تو کہنے دو / بات لائے ہو تم بھلی ایسی

وہ ملے گا تو ہم بھی ملتے ہیں / آپ لگ چلیئے کیا چلی ایسی

خون ہوتا ہے دل کا یاں آ تو / مہندی پاؤں میں کیا ملی ایسی

اُس کے گھر میں کدھر سے پہونچیئے جا / دل بتا دے کوئی گلی ایسی

مُسکرایا خوشی سے وہ جس طرح / باغ میں کب کھلی کلی ایسی

درد گھبرا کے تو جو یوں چونکا
کیا اُٹھی جی میں کھلبلی ایسی

کیف و کم کو دیکھ اُسے بے کیف و کم کہنے لگے / جب حدوث اپنا کھلا راز قدم کہنے لگے

غیر کچھ کچھ کان میں بھی دم بدم کہنے لگے / بات تم اب اپنے دل کی ہم سے کم کہنے لگے

واہ وا قسمت کی مجبوری کو دیکھا چاہیئے / وہ ہوا بے پردہ تب ہم اُس کو ہم کہنے لگے

غافلو تم بات اتنی بھی سمجھتے ہی نہیں / ہے کسی کا وہ دہن جس کو عدم کہنے لگے

بت پرستی کفر یاں دل کی گرفتاری ہے درد
چاہئے جس کو لگے اس کو صنم کہنے لگے

دشوار ہوتی ظالم تجھ کو بھی نیند آنی / لیکن سُنی نہ تو نے ٹک بھی مری کہانی

منظور زندگی سے تیرا ہی دیکھنا تھا / ملتا نہیں جو تو ہی پھر کیا ہے زندگانی

محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے / ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی

مرنے سے آگے کیا ہے مرجائیں گے تو مرجائیں / بہتر نہ ملیئے ہم سے گر یوں ہی جی میں ٹھانی

میرے غبار کا کچھ پایا نشاں نہ ہرگز / صحرا میں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی

جب کہا میں کہ ٹک خبر لینا / دل پہ آفت ندان ہے پیارے

ایک دم میں تو جی ہی جاتا ہی
تب لگا کہنے سچ یوں ہی ہوگا
میرے دل کی جو پوچھیے یہ ہی
تجھ سے مرجائیں گے تو مرجائیں

زیست اب کوئی آن ہی پیارے
کیا پر اسکا بیان ہی پیارے
جان تو اپنی جان ہی پیارے
جان ہی تو جہان ہی پیارے

تیری گلی میں میں نہ چلوں اور صبا چلے
کس کی یہ موج حسن ہوئی جلوہ گر کہ یوں
ہم بھی جرس کی طرح تو اس قافلے کے ساتھ

یوں ہی خدا جو چاہے تو بندے کی کیا چلے
دریا میں جو حباب تھے آنکھیں چھپا چلے
نالے جو کچھ بساط میں تھے سو سنا چلے

کہنہ بیٹھیو نہ درد کہ اہلِ وفا ہوں میں
اس بے وفا کے آگے جو ذکرِ وفا چلے

جتنی بڑھتی ہی اتنی گھٹتی ہی
زلف کی کج ادائیاں دیکھو
آج ہی آہ کی ہوا کچھ اور

زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہی
ہر گھڑی منہ سے جا لپٹتی ہی
دیکھیے کس طرف پلٹتی ہی

جو خرابی کہ درد یاں پھیلی
دستِ قدرت سے کب سمٹتی ہی

گر نام عاشقی ترے نزدیک ننگ ہی
اس خانماں خراب کو لے جاؤں میں کہاں
تیری درشتیوں کو سمجھتا ہوں آشتی
کرتا ہی اس قدر تو خفا درد کو عبث

کرئے نہ قتل مجھکو تو پھر کیا درنگ ہی
دل پر تو یہ فضائے بیاباں بھی تنگ ہی
تجھ کو یہ میرے ساتھ عبث عزم جنگ ہی
ظالم وہ اپنی جان سے آپ ہی تنگ ہی

آہستہ گزریو تو صبا کوے یار سے / پیچش نہ کیجیو مری مشت غبار سے
اُس سنگدل کی وعدہ خلافی کو دیکھیے / پتھرا گئی ہیں آنکھیں مری انتظار سے
سینے کو چاک صبح کے مانند گر کروں / جوں آفتاب نکلے مرا دل کنار سے

ای درد غیر کا نہیں شکوہ مرے تئیں
جو کچھ گلہ ہے مجھ کو سو ہے اپنے یار سے

دیکھ لوں گا میں اُسے دیکھیے مرتے مرتے / یا نکل جائے گا جی نالے ہی کرتے کرتے
لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یاں مجلس ہے / خالی ہو جائے ہے پیمانے کے بھرتے بھرتے
جو گیا کوچے میں اُس کے نہ پھرا ایدھر کو / ای صبا جائی تو ہی جائیو ڈرتے ڈرتے

درد جوں نقشِ قدم تھا سرِ رہ پر اس کے
مٹ گیا اوروں ہی کے پاؤں کے دھرتے دھرتے

آیا ہے ابر اور چمن میں بہار ہے / ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ہے
ظالم سمجھ کے اپنی نظر پھینکیو کہیں / گزرا جدھر یہ تیر تو پھر وار پار ہے
روتا نہیں ہے شیشہ ہنسنا یہ بے سبب / گردن پہ اُس کی خون کسی کا سوار ہے

ناداں نظر سے اپنی گرا دے نہ درد کو
جو کچھ کہ ہے سو ہے یہ ترا دوستدار ہے

مدت ہوئی کہ ویسی عنایات رہ گئی / اب گاہ گاہ سیدھی ملاقات رہ گئی
یاں کون آشنا ہے ترا کس کو تجھ سے لاگ / کہنے کو یہ بھی لوگوں کی اک بات رہ گئی
بازی بدی تھی اُس نے مری چشمِ تر کے ساتھ / آخر کو ہار کے برسات رہ گئی

وہ دُخترِ رز کہ جھلتی پھرے ہے جہاں کو
کہتے ہیں درد پاس بھی اک رات رہ گئی

گرچہ بیزار تو ہی ہر اسے کچھ پیار بھی ہے
زاہدا شرکِ خفی کی بھی خبر ٹک لینا
چشمِ رحمت سے ادھر کو بھی نظر کیجیے گا
ساتھ انکار کے پڑے ہیں کچھ اقرار بھی ہے
ساتھ ہر دانۂ تسبیح کے زنار بھی ہے
اسی اُمید پہ آیا یہ گنہگار بھی ہے

دل بھلا ایسے کو اے درد نہ دیجے کیونکر
ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے

جب نظر سے بہار گزرے ہے
وہ زمانہ سے باہر اور مجھے
جس کے تو ہو کے سامنے گزرا
جی پہ رفتار یار گزرے ہے
رات دن انتظار گزرے ہے
آپ سے بار بار گزرے ہے

نالۂ زار درد کا ہر اک
چھوٹتے دل کے پار گزرے ہے

تو جو کہتا عبث ہے کسی بات کیلئے
یوں ہی تمام جھگڑے ہی رگڑے میں ہو گئی
اگلے معاملے کو اگر کیجیے معاف
میں آ گیا ہوں صرف ملاقات کے لیئے
ہر دن خراب پھرتے تھے جس رات کے لیئے
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لیئے

ہم جانتے ہیں درد اندھیرے میں رات کو
تو لگ رہا ہے کوچہ میں جس گھات کے لیئے

غمناکی بیہودہ رونے کو ڈبوتی ہے
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں موتی ہے

دم لینے کی فرصت یاں ٹک دی نہ زمانے نے
خورشید قیامت کا سر پر تو اب آ پہونچا
خورشید نہ تنہا ہی گردش میں زمانے کی

ہم تجھ کو دکھا دیتے کچھ آہ بھی ہوتی ہے
غفلت کو جگا دینا کس نیند یہ سوتی ہے
یاں اپنے دنوں کے تئیں شبنم بھی تو روتی ہے

جو ملنا ہے دل پھر کہاں زندگانی
عجب خوف اب درپیش ہے پھر تو سب کو
دلاسا تو دیجو تو ٹک جا کے اس کو
نہ جاوے گا جب تک مرے جی میں جی ہے

کہاں میں کہاں تو کہاں نوجوانی
سنا لو ٹک اب اپنی اپنی کہانی
تڑپتی ہے بیکس مری جاں فشانی
ترا غم ہے پیارے مرا یار جانی

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
فرسودگی ہے رشتہ تسبیح کا حصول
جس دل پہ بے وفائی معشوق کے سبب
دل دے چکا ہوں اس بت کافر کے ہاتھ میں

جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے
یہ کچھ گذر چکا ہو وہ پھر چاہ کیا کرے
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خون دل رواں ہے
غنچہ ہے دل گرفتہ گل کا ہے چاک سینہ
آہوں کی کشمکش میں دیکھو کہیں نہ ٹوٹے
گمنام اب جہاں میں مجھ سا نہیں ہے کوئی

جو کچھ ہے میرے دل میں منہ پر مرے عیاں ہے
گلشن میں ہے تو یہ کچھ آسودگی کہاں ہے
تار نفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے
عنقا کا نام ہے تو ہر چند بے نشاں ہے

دل تڑپتا ہے درد پہلو ہے
غم سے پہچانتا نہیں ہوں میں

مرگ آ پہونچی کہ قابو ہے
کہ مرا سر ہے یا کہ زانو ہے

منعِ صہبا نہ کرنے مجھے ای شیخ
مے پرستوں کے حق میں دارو ہے

جلوہ گر ہی تجھی میں ای ذرّے
جس کی خاطر تجھے تگاپو ہے

ہستی ہی سفر، عدم وطن ہے
ہر چند کہ سنگ دل ہی شیریں
دیکھا تو بہ شورشِ من و ما
مت جا تر و تازگی پہ اُس کی

دِل خلوت و چشم انجمن ہے
لیکن فرہاد، کوہ کن ہے
ہنگامۂ وصلِ جان و تن ہے
عالم تو خیال کا چمن ہے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ آہوں کی ہے وہ دھونی
جلا کر دیکھ نامے کو حقیقت گر نہیں پڑھتا
تپش کو دل کی ہیں جانا تھا یہ آنسو بجھا دیں گے
پڑی ہے خاک پر یہ لاش اُس رشکِ شہیداں کی

ہوا کیا درد کو پیارے گلی کیوں آج ہے سونی
محبت کے شرارونے یہ چھاتی جس طرح بھونی
ولے یہ آگ تو پانی سے بھڑکی اور بھی دونی
لہو کے آنسوؤں روتا ہے جس کو قتل کر خونی

تو اس قدر جو اُس کا مشتاق ہو رہا ہے
کوئی بھی شخص اس کا مارا ہوا نہ پنپا
سیماب کشتہ کس کا ما الحیات کیدھر

کیا دل سے بھی زیادہ آئینہ میں صفا ہے
دِل مت کہیں لگانا الفت ہی بلا ہے
گر جی کو مار سکیے ای درد کیمیا ہے

کِس کے تئیں نہ دیکھیے کس پہ نگاہ کیجیے
عہد شکن ہو، خواہ وہ دل شکنی کیا کرے
کعبہ کو بھی نہ جائیے دیر کو بھی نہ کیجیے منہ

کھولیے جس طرف نظر سمجھیے آہ کیجیے
اس کی طرف سے ہو سو ہو آپ نباہ کیجیے
دل میں کسو کے درد یاں ہووے تو راہ کیجیے

نے وہ بہار واں ہے نہ یاں ہم جواں رہے
ملیے پھر اس سے آہ وہ دن اب کہاں رہے

آباد رکھیو خانۂ دنیا کو اے سپہر
یک چند ہم بھی آن کے یاں میہماں رہے

دل اپنے پاس گو کبھو رہتا نہیں ہے درد
پر ہے یہی دعا وہ رہے خوش جہاں رہے

اگر آہ بھریے اثر شرط ہے
وگر ضبط کریے جگر شرط ہے

بڑا غبن فاحش ہے انسان میں
پرکھنے کو اُس کے نظر شرط ہے

قدم عشق میں درد رکھتا تو ہے
وہ جانے کہاں ہے۔ خبر شرط ہے

لخت جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہہ گئے
کچھ پارہائے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے

کس کس طرح سے اُن نے بھی سُن سُن کے ٹال دیا
ہر چند ہم بھی باتوں میں کچھ کچھ تو کہہ گئے

اُس کی نظر میں درد یہ کچھ بات بھی نہیں
دانستہ ہیں ہم اپنی جو کچھ سُن کے سہہ گئے

یہ زاہد کب خطا سے بے خطر ہے
اگر آدم نہیں تو بھی بشر ہے

علاجِ دردِ سر صندل ہے لیکن
ہمیں گھسنا ہی اُس کا دردِ سر ہے

سراپا چشم ہوں جوں آئینہ پر
کسو پہ درد کب میری نظر ہے

کروں کس کے ساتھ اے شرر گرمجوشی
نہ دیکھی زمانے کی تو چشم پوشی

خبر اپنی لے اے گلستانِ خوبی
کرے ہے تبسم ترا گل فروشی

نپٹ مست ہے تجھ بِن نرگس چمن میں
کسو کی تو آنکھوں نے کی بادہ نوشی

جگر پہ داغ نے میرے یہ گلفشانی کی
کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کی
مری سی نالہ تراشی نہ کر سکا فرہاد
اگرچہ اس نے بھی اک عمر تیشہ رانی کی
ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہوگئے بیزار
عجب ہے خضر نے کیونکر کہ زندگانی کی

دل سمت سینہ یا طرفِ سر کو منہ کرے
چھوڑا یہ درد دیکھیے کیدھر کو منہ کرے
کیا کم ہے مرغِ قبلہ نما سے بھی مرغِ دل
سجدہ اُدھر ہی کیجیے جیدھر کو منہ کرے
اُس کے تئیں بھی دخترِ رز تک تو منہ لگا
میں جانوں پھر یہ زاہد اگر گھر کو منہ کرے

مت اٹکیو تو اس میں کہ مشہود کون ہے
ہر مرتبہ میں دیکھیو موجود کون ہے
دونوں جگہ میں معنیِ مولا ہے جلوہ گر
غافل ایاز کون ہے محمود کون ہے
تجھ پر کھلا ہے رازِ الیہ المصیر گر
ہر فعل میں تو سمجھیو مقصود کون ہے

اک خلق سیہ مستِ مئے بے خبری ہے
کس زلف کی بو تجھ میں نسیمِ سحری ہے
ہر آہ شرربار ہے جوں سروِ چراغاں
کیا آگ الٰہی مرے سینہ میں بھری ہے
غافل تو کدھر بہکے ہے ٹک دل کی خبر لے
شیشہ جو بغل میں ہے اسی میں تو پری ہے

رباعیات

جان تو اک جہان رکھتا ہے
کون میری سی جان رکھتا ہے
تیرے یہ ڈھنگ اور تجھ سے میاں
درد کیا کیا گمان رکھتا ہے

نہیں چھوڑتی قید ہستی مجھے
زمانے نے اے درد جوں گرد باد
مگر کھینچ لے جائے مستی مجھے
دکھائی بلندی و پستی مجھے

کیا جانیے کیا دل پہ مصیبت یہ پڑی ہے
اس طرح سے اک لخت جو آنسو نہیں تھمتے
اک آگ سی کچھ ہے کہ وہ سینے میں گڑی ہے
معلوم ہوا درد کہیں آنکھ لڑی ہے

بس ہے یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ
اے درد کیا عجب ہے مرے اشک و آہ سے
جائے چراغ کوئی دلِ مہرباں جلے
ڈوبے اگر زمین و گر آسماں جلے

آیا نہ چین جی کو نہ دل سے تپک گئی
اب کون حالِ دل کہے اس مستِ ناز سے
میں چپ رہوں کہاں تئیں چھاتی تو پک گئی
اک آہ تھی سو وہ بھی سر اپنا پٹک گئی

دل ہی یہ بے قرار نہ ہووے تو کیا کرے
عاشق تو جانتا ہی نہیں اور کون ہے
اپنا جب اختیار نہ ہووے تو کیا کرے
اس کو پر اعتبار نہ ہووے تو کیا کرے

نہ ملیے یار سے دل کو تو کب آرام ہوتا ہے
یہ حسن و عشق مل بیٹھیں ہیں گے آپس میں جو ہوگا
و گر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے
پر ان دونوں کے اس جھگڑے میں اپنا کام ہوتا ہے

یہی پیغام درد کا کہنا
کون سی رات آن ملیے گا
گر کوئی کوئے یار میں گزرے
دن بہت انتظار میں گزرے

ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی
گریباں میں ہے مثلِ صبح اک تارِ نفس باقی

یکایک عشق کی آتش کا شعلہ اس قدر بھڑکا
نہ چھوڑا سرزمینِ دل میں کوئی خار و خس باقی

گلرخاں کا بحر و بر میں جو کہ ہو مدہوش ہو
وصفِ خاموشی کے کچھ کہنے میں آ سکتے نہیں
ہم نے دریا میں بھی دیکھا بلبلوں کا جوش ہو
جس نے اس لذّت کو پایا ہو سدا خاموش ہو

گر جان ہی تو جان کے آزار ساتھ ہے
دُنیا وہ فاحشہ ہے کسو سے نہیں بچی
یاں زندگی کے مردنِ دشوار ساتھ ہے
دیکھا جسے تو اُس کے یہ مُردار ساتھ ہے

پوچھو مت قافلۂ عشق کدھر جاتا ہے
کو اُچٹتا ہے مرا نالہ بتوں کے دل سے
راہ رو آپ سے اس رہ میں گزر جاتا ہے
کچھ نہ کچھ کام تو اپنا بھی یہ کر جاتا ہے

گر معرفت کا چشمِ بصیرت میں نور ہو
آتی ہے دل میں وہی صورت نظر مجھے
تو جس طرف کو دیکھیے اُس کا ظہور ہو
شاید یہ آئنہ بھی کسی کے حضور ہو

نہ کچھ غیر سے کام نے یار سے
مجھے دے کے دشنام کہنے لگا
کہیں چھوٹوں اس دل کے آزار سے
نہ ہوگا خوش اب بھی تو بیزار سے

غبار اس کوچہ میں اب دیکھا تو کم آنے لگے
کون ایسا آ رہا ادھر کہ تم اس کی طرف
تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے
آنہ پھرتے تھے کبھو یا دم بدم آنے لگے

باب فی دیات

سلجھتی بات جن طرحوں میں ہم ویسا ہی سلجھاتے
یہ اُلجھیڑا نظر آتا تو اپنا دل نہ اُلجھاتے

گل کھائے تھے جنھوں نے وہ گل کچھ نہ کچھ کھلے
پر داغ اپنے دل کے تو سب خاک میں ملے

اگر نہاں ہے تو تو ہے وگر عیاں تو ہے
غرض کہ دیکھ لیا میں جہاں تہاں تو ہے

دل کو سب قید وہی اس وقت میں آزادی ہے
مر چلے اب نہ ہمیں غم ہے نہ کچھ شادی ہے

یارب سپہر اتنی تو اب نہ گزر کرے
کوئی خانماں خراب کسی دل میں گھر کرے

اس تیغ آبدار کا گر یہ ہی وار ہے
پیارے تو زخمیوں کا تیرے بیڑا پار ہے

مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت جہاں تو ہے
اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہاں تو ہے

نہ مرتے ہیں نہ نیند آتی نہ وہ صورت بسری ہے
یہ جیتے جاگتے ہم پر قیامت شب گزرتی ہے

نہ یاں قصہ سکندر کا نہ مذکور سلیمانی
ہماری بزم میں ہوتا ہے اور ہی فقر سلطانی

از بسکہ جہاں نقشِ فنا کا ہی نگیں ہے
دل جب سے لگا پھر اسے دیکھا تو نہیں ہے

طلسمِ ہستیِ موہوم دل پر بخت چنبر ہے
بہ رنگ عکس تجھ کو آئنہ سد سکندر ہے

تعین گر مٹے دل سے تو کفر آثار ہو جاوے
اگر عقدے کھلیں تسبیح کے زنار ہو جاوے

تری آنکھیں دکھا دیجے تو نرگس مست ہو جائے
اگر دیکھے یہ قامت سروِ گلشن پست ہو جائے

نالہ ہے سو بے اثر اور آہ بے تاثیر ہے
سنگ دل کیا تجھ کو کہیے اپنی ہی تقصیر ہے

تجھ بن کہوں کیا تجھ سے میں کس طرح کٹے ہے
تو دن ہی بھرتا ہے نہ یاں رات کٹے ہے

کیجیے کیا؟ آہ! کدھر جائیے
چھوٹیے اس دکھ سے جو مر جائیے

اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے
سانس ہے یا کہ پھانس کھٹکے ہے

مشابہ کوئی ان آنکھوں سے کم ہے
یہ نرگس ہے سو مرفوع القلم ہے

عبث دل بیکسی اپنی پہ تو ہر وقت روتا ہے
نہ کر غم اے دوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے

بت پرستی ہے اب نہ بت شکنی
کہ نہیں تو خدا سے آن بنی

نہیں ہے بے سبب یہ خندۂ دنداں نما ہر دم
کسو کے تو لہو پینے پہ یعنی دانت گھٹتا ہے

زبس اے درد جدائی نے تیری ہنسوں کو مارا ہے
اگر آزار کبھی ہوتا ہے تو وہ جی نڈھال ہے

دیکھ کر رخسار تیرے کی صفا	آئینہ کی یاں اکھڑتی ہی قلعی

رباعیات متفرق

مدت ہیں باغ و بوستاں کو دیکھا جوں آئینہ کب تک پریشاں نظری	یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا اب موند لے آنکھ بس جہاں کو دیکھا
دیکھا ہی میں نے زندگی کا جب سے سپنا تعبیر معاف تب ہی ہوگی ای درد	جلنا ہی سدا ہی مجھ کو نت ہی کھپنا جوں شمع کروں گا جب قدم بوس اپنا
ای درد یہ کون صبر کو لوٹ گیا کیا تجھ پہ مصیبت پڑی ایسی ظالم	یوں تجھ سے جو ضبط یک بیک چھٹ گیا کہہ تو ہی جی ڈھا کہ دل ٹوٹ گیا
عاشق تجھ کو جو گھر نہ پاتا ہوگا اوروں سے بھی تجھ کو تو خوشی حاصل ہی	کیا کیا کچھ دل میں اس کے آتا ہوگا تیرا جی و دل کبھی بہل جاتا ہوگا
پیدا کرے ہر چند تقدس بندا جنت میں بھی اکل و شرب کب ہی نجات	مشکل ہی کہ ہو حرص سے دل برکندا دوزخ کا بہشت میں بھی ہوگا دھندا
ای درد یہ سیکھنا جو آکر دیکھا مانند مژہ اٹھ گئی صف کی صف ہی	کچھ تو ہی بتا کہ دل لگا کر دیکھا ہم نے تو جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھا

ہم نے بھی کبھو جام و سبو دیکھا تھا
جو کچھ کہ نہیں ہی روبرو دیکھا تھا
اُن باتوں کو اب جی غور کریے ای درد
کچھ خواب سا تھا کہ وہ کبھو دیکھا تھا

موند آنکھ سدا کب تئیں دن ٹالیئے گا
غفلت سے تئیں بغل میں یوں پالیئے گا
ای درد مراقبہ تو کرتے ہو ولے
ٹک اپنے گریباں میں بھی سر ڈالیئے گا

کس کا کون کیا کسو سے کہنا
اپنا اپنا ہر ایک کا ہی لہنا
گزرے ہی اب اس طرح سے اپنی ای درد
رونا چپکے پڑے اکیلے رہنا

یا رب مقصود خلق کیا میں ہی تھا
ایسا تحفہ جہاں میں یا میں ہی تھا؟
کچھ کام ظہور میں نہ آیا مجھ سے
بس تجھ کو یہ مجھ سے مدعا میں ہی تھا؟

آرام نہ دن کو بے قراری کے سبب
نے رات کو چین آہ و زاری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھو
یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

کیا فائدہ گر باز ہی یاں دیدۂ سر
نت پردۂ چشم دل ہی کورئ دگر
جوں آئنہ ہر چند کھلی آنکھ ولے
آتا ہی نظر میں عیب اپنا جوہر

یوں دیکھ کے اپنے غم سے مجھ کو رنجور
کہتا ہی سمجھ تو بھی گر کچھ ہی شعور
اتنا بھی نہ مر کوئی دنوں جیتا رہ
ملنا ہی تجھے پھر بھی جو مجھ سے منظور

ای درد اگرچہ ہم میں ہی جوش و خروش
رہتے ہیں و لے اہل تسلّی خاموش

موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں
گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش

اے درد یہ دوری سے کھونا معلوم
جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن
میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم

اے درد بہت کیا پڑھا ہم نیں
دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا ہم نیں
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کو
جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نیں

غم کھاتے ہیں اور آنسو نت پیتے ہیں
دن رات مجھے عجب طرح بیتے ہیں
گزرے ہے جو کچھ کہ گزرے ہے کیا کہیے
پر تحفگی یہ کہ اب تلک جیتے ہیں

جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں
ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں
اس علم کی انتہا سمجھنا آگے
اے درد ابھی تو نام حق پڑھتا ہوں

اے درد سبھوں سے برملا کہتا ہوں
توحید نہیں چھپا چھپا کہتا ہوں
ملّا کو بھی کچھ اس میں نہیں ہے انکار
بندہ بندہ خدا خدا کہتا ہوں

دریا پہ عبث جائے ہے ساقی سے کہو
لے آئنہ دیکھ ظالم اس عالم کو
آنکھیں تری یوں نشہ سے جاتی ہیں چڑھی
جوں کشتی چڑھاؤ پہ کھنچی جاتی ہو

کی بہت طریق زہد میں عمر تباہ
اب کیجیے دل کو معرفت سے آگاہ

جوں کوچۂ مسواک اسی میں دیکھا
کوچہ ہی یہ سربستہ نہیں اس میں راہ

کب جس میں ہو دنیا کی طلب بیٹھ سکے
جس دل میں ہوس بھری ہو کب بیٹھ سکے
تسکین شہودِ حق سے ہوتی ہی نصیب
اُٹھ جائے نظر سے خلق تب بیٹھ سکے

مت پوچھ کہ میں نے عمر کیونکر کاٹی
جس طرح سے کٹ گئی ہے دن کر کاٹی
کس واسطے چاہیئے پرکھیا اتنا
دو روز کی زندگی ہی جوں کر کاٹی

ہر بت کے لیے کب تئیں مرتے رہیئے
کب تک یہ کفر دل میں بھرتے رہیئے
اب درد جو کچھ کہ زندگی باقی ہی
اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیئے

ای بحر علوم سب کو باری باری
ہی تجھ سے ہی اب حصولِ فیضِ باری
تاحشر تری مریدی و پیری کا
جوں موج یہ سلسلہ رہے گا جاری

آزادیِ معرفت نے ای درد کبھی
عقدہ نہ کیا قبول جی پر کوئی
کیوں اتنی اٹک ہی ہی اب قیدِ حیات
یہ بھی جو گرہ سی ہی سو کھل جائے کبھی

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی
ای درد کہاں ہی زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

یا اس نے ہی کچھ رسمِ تغافل کم کی
تاثیر پڑی ہی یا کہ اپنے غم کی
رونے کو مرے تو لے ہی وہ نظروں میں
اس گوہرِ اشک کی بھی رتی چمکی

تیرے لیئے دردؔ کو کسی سے نہ بنی
یہ خانہ خراب رفتہ رفتہ آخر

بہتیروں نے چاہا پہ کبھی سے نہ بنی
ایسا بگڑا کہ اپنے جی سے نہ بنی

جوں کال سے یاں تال کی پیدائی ہی
دیکھی تھی یہ اور تشبیہ تمام

ووں تال سے کال کی شناسائی ہی
وہ اس کے پرس کے یوں ہی کام آئی ہی

کچھ آپ ہی گرا کے کچھ آپ ہی چنتا ہی
ای دردؔ ہمیشہ یہ دلِ دیوانہ

کہتا ہی کچھ آپ۔ آپ ہی سنتا ہی
کیا کچھ ادھیڑتا ہی اور بنتا ہی

عاشق ہوئے جس کے اس کے محبوب بنے
تس پر بھی جو کچھ بنی سو دیکھی تم نے

دلخواہ سب اُس کے ساتھ اسلوب بنے
بس دردؔ خدا سے اب تمھیں خوب بنے

رباعی مستزاد

ای دردؔ شبِ قدر ہی ہر زلف سیاہ
ہر خط میں لکھی ہوئی ہیں آیاتِ الٰہ
جوں آئنہ حیران ہوں میں سر تا پا
آتا ہی نظر حسن میں جلوہ کیا کیا

گر دل سے ہی راہ !
کر ٹک تو نگاہ !
ہی عشق گواہ !
اللہ اللہ !

گر شوق ہی جی میں حق کے پہچاننے کا
کہتا ہوں سخن چھوٹا سا پہچاننے کا

ابرام کرو
اک کام کرو

ہی غیر اگر تم میں تو لازم ہی تمھیں
پہچانو اُسے
اور تم ہی ہو تو فائدہ کیا جاننے کا
آرام کرو

کیسی تم کو بھاوت ہیں وہ کیسی تو سکھ پاوت ہیں
یہ پھلواری فی رد ہیں کچھ اور ہمو دکھلاوت ہیں
کلیاں من میں سوچت ہیں جو پھول کوئی کھلاوت ہیں
جو دن واکو بیت گیو ہی دا دن مونکو آوت ہیں

مخمسات

باطن سے جنھوں کے نہیں خبر ہی
ظاہر پہ انھیں تو کب نظر ہی
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہی
اس آگ سے سوختہ جگر ہی
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہی

خاموش ہو ترک گفتگو کر
باطن کے صفا کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر
آئینۂ دل کو روبرو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے

ہستی نے کیا ہی گرم بازار
لیکن ہی یہاں نگاہ درکار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار
آہستہ گزر میانِ کہسار
ہر سنگ دکانِ شیشہ گر ہی

دیدار نما ہے شاہدِ گل
اور زلف کشا عروسِ سنبل
جب دل نے مرے کیا تامل
تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہی

نزدیک و بعید ہی برابر
مت ہو دم پاس سے مکدّر

آئینۂ وہم ہے سراسر — مانندِ نگہ نکل تو باہر

تیرے تئیں تجھ تلک سفر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے محجوب — ہر نقص سے ہے کمال مطلوب

کوئی نہیں ہے جہاں میں معیوب — آتے ہیں مری نظر میں سب خوب

گر عیب ہے پردۂ ہنر ہے

اے درد رموز کبریائی — کب سمجھے ہے زاہد ریائی

بے عجز نہیں ہے واں رسائی — ہے مجھکو جہاں یہ پر کشائی

پرواز شکستِ بال و پر ہے

دیگر

ہم وحشیوں کے دل میں کچھ اور ہی امنگ ہے — وحشت بھری ہے اور ہی اور ہی ترنگ ہے

ان گمشدوں کے آگے تو عنقا بھی ننگ ہے — اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے

لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

نے فکر صبح کی نہ غمِ شام تھا ہمیں — نے شوقِ بادہ تھا نہ سرِ جام تھا ہمیں

جب تک عدم میں تھے عجب آرام تھا ہمیں — اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں

اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

نے یاں ہوائے آب ہے نے حرص نان کی — نے دہشتِ سقر نہ ہوس ہے جنان کی

زاہد یہ باتیں سب ہیں ترے امتحان کی — فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی

خطرہ جو ہے سو آئینۂ دل پہ زنگ ہے

دیگر

کبھی قیمت میں اس کے پاس نقد دین کو لائے — کبھی دنیا دکھاتے ہیں کہیں سودا یہ بن جائے

ہمیں یہ سوچ ہے وہ خود فروش ایدھر اگر آئے — براہ او چہ در بازیم نے دیتے نہ دکھلائے

دلے داریم و اندوہ مگرے داریم و سودائے

مگر ان بے وقوفوں نے محبت سہل جانی ہے
ولے شعلہ سرکش تو یوں گرمی کرے ہے کہ
ہوس کرتا ہے تیرے عشق کی ہر ایک نیک و بد
بنازم چشم و اغت اعجب تماشائے دارد

بغیر از سینۂ پاکاں ندیدم خوش کند جائے

دیگر

ستاتی ہے مجھے ہر لحظہ کج ادائی دوست
بڑھی ہے اور طرف جا کے دلربائی دوست
کرے ہے دشمنی اب مجھ سے آشنائی دوست
پہ تو بھی دل میں ہے میرے وہی صفائی دوست

وفا مری نہیں دیکھے ہے بے وفائی دوست

مجھے تو نزع میں گذرا ہے صبح سے تا شام
غرض کہ مجھ کو ہوئی زندگانی تلخ تمام
پھر اب جو شام ہوئی صبح تک کسے آرام
کہے ہے درد کے مرا حال دیکھے کیا کام

نگاہ کیجیو ٹک تک بے وفائی دوست

ترکیب بند

شاہنشہ ملک کفر و دین تو
ہوں لفظ بمعنی آشنا میں
اے زیورِ دستِ غیب ہر جا
کافر ہوں نہ ہوں جو کافرِ عشق
دشمن ہے کہاں کدھر کو ہے دوست
ویرانیِ وادیِ گمان تو
ہیہات جہاں یہ کور چشماں

ہے تخت نشین دل نشین تو
ہے معنیِ لفظ آفرین تو
انگشت نما ہے جوں نگین تو
ہے نازِ بتانِ نازنین تو
ہے گرمیِ بزمِ مہر و کین تو
آبادیِ خانۂ یقین تو
ڈھونڈھیں ہیں تجھے تو ہے وہیں تو

کرتا ہی یہ کون دیدہ بازی
تو ہی تو ہی دل کی بے حجابی

گر روشنیٔ نظر نہیں تو
ہی پردۂ چشمِ سرمگیں تو

معشوق ہی تو ہی، تو ہی عاشق
عذرا ہی کدھر کہاں ہی وامق

میں منتظرِ دمِ صبا ہوں
اک عمر گزر گئی سمجھتے

جوں غنچہ گرفتہ دل بنا ہوں
معلوم کیا نہ میں نے کیا ہوں

نکلا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے
بیگانہ جو مجھ سے وہ چھپے ہی

شرمندۂ جذب پھر رہا ہوں
تقصیر یہ ہی کہ آشنا ہوں

موجود نہ بوجھے کچھ وہ کافر
اپنی تو نہ کھوئی تیرہ بختی

گر آوے خدا بھی میں تو کیا ہوں
ہر چند کہ سایۂ ہما ہوں

بے دل تو نہ کر مجھے سمجھ ٹک
مشکل ہی مجھے کہیں رسائی

میں ہی تو بساط میں لگا ہوں
کوتاہیٔ طبعِ نارسا ہوں

پائی نہ گلِ وفا کی بو بھی
اس باغ میں جا بجا پھرا ہوں

آئندہ نہ کیجیے محبت
دُنیا ہی نپٹ ہی جائے عبرت

میرے دمِ سرد سے نہیں دور
ہوں داغ میں تخمِ دل کے ہاتھوں

خورشید اگر ہو قرصِ کافور
بہتا ہی رہا سدا یہ ناسور

پوچھے کوئی جس کی بات مجھ سے
ہی غم یہ ترا کہ روز و شب میں

کرنا ہی مجھے ترا ہی مذکور
رکھتا ہی ہمارے دل کو معمور

ایذا میں ہو دیکھ کیا حلاوت
بے نوش نہیں ہو نیشِ زنبور

یاں کھولیو تو سمجھ کے آنکھیں
شمعِ مجلس ہو شعلۂ طور

اتنا نہ ہوا میں اُڑ سلیماں
کچھ تخت سے کم نہیں پرِ مور

قائل نہیں اختیار کا میں
بندہ ہو سمجھ میں اپنی مجبور

تو عشق کے رنگ سیر کر ٹک
واصل ہو کوئی کوئی ہو مہجور

پروانہ و شمع ل گئے یوں
ہیں بلبل و گل جدا جدا دوں

اس زیست کا اعتبار کیا ہو
کوئی[1] دم میں یہ زندگی ہوا ہو

گزرا ہو نظر سے ایک عالم
یہ چشم نہیں ہو نقشِ پا ہو

ظالم ٹک ادھر تو دیکھ لے تو
کوئی[1] پل میں خدا ہی جانے کیا ہو

ڈھاتا تو ہو دل کے تئیں ولیکن
تو جان یہ خانۂ خدا ہو

ہو دیدِ فنا ہی حاصلِ چشم
عقدہ یہ حباب پر کھلا ہو

ظاہر ہو تجھی سے تو یہ عالم
تو مجھکو بتا کہیں چھپا ہو

دُنیا سے اُمیدِ پاِئداری
یہ وہم ترا کدھر گیا ہو

جوں آئنہ منہ کسی سے مت پھیر
تیرے دل میں اگر صفا ہو

کچھ پائی خبر نہ میں نے دل کی
کس کے وہ خیال میں گیا ہو

ہو میرے تئیں سراغ دل کا
پھرتا ہوں لئے یہ داغ دل کا

[1] وسلہ کوئی کیلا اظہار واو پڑھنے سے مصرعہ ہوتا ہو جو پُرانی شاعری میں جائز تھا

مت کہہ کہ فلک میں ہی بڑے ڈھنگ
کس کا ہی سمجھ تو ٹک یہ نیرنگ

ای رشکِ بہار ہی تجھی سے
یہ رُتبے زمیں پہ آب و رنگ

برعکس سمجھ صفا کو اُس کی
آئینہ کے دل میں ہی بھرا زنگ

ای شیشہ گراں نہیں یہ مینا
پگھلا ہی شراب پر دلِ سنگ

کرتا ہی تو صلح غیر سے تو
ہم سے ہی مگر ارادۂ جنگ

حیرت کا مری تو یہ اثر ہی
وہ بھی نہ مجھے دیکھ رہ گیا دنگ

میں پہونچوں خیال کی طرح واں
گر مجھ سے ہو تو ہزار فرسنگ

کرتا ہی یہ دل تو روز نالے
ہی نَے سے زیادہ تر خوش آہنگ

میں غنچۂ دل گرفتہ دل
تو عقدہ کشائے خاطرِ تنگ

جوں زخم مجھے شگفتہ دل رکھ
مت تیغ سے اپنی منفعل رکھ

عاشق ہی اور اضطرار کرنا
اک جا نہ کہیں قرار کرنا

ہم بھی ہیں اُمیدوار ہو کے
ایدھر بھی صبا گزار کرنا

ای عشق قسم ہی قتل گہہ میں
پہلے تو ادھر ہی دار کرنا

دل اُس کی گلی کو جب چلے تو
میرا بھی ٹک انتظار کرنا

مینا کو نہ توڑ محتسب تو
میرے تئیں سنگسار کرنا

ظالم ہیں تری یہ چشم قاتل
عاشق سے اُنھیں نہ چار کرنا

ہو میرے سوا کس سے ناحق
اپنے تئیں یوں نزار کرنا

ای وعدہ خلاف کب تلک یہ
بے فائدہ انتظار کرنا

آشفتہ دلوں کو مت ستانا	زلفوں میں نہ شانہ یار کرنا

وابستہ ہے اُن سے مو بمو دل
مت لوٹ پڑے کوئی کبھو دل

مدت نہیں عشق دل پہ ور تھا	دیکھا تو عبث کا دردِ سر تھا
آنکھوں نے جدھر کی نیزہ بازی	تھا دل ہی مرا کہ واں سپر تھا
زخمی نہ بچا تری نگہ کا	جو زخم تھا سو وہ کارگر تھا
ہو سامنے کون اس مژہ کے	مہرا ہی تو یہ دل و جگر تھا
پوچھا میں کہ دل کو کیوں اُجاڑا	کہنے لگا خوب! اپنا گھر تھا
ہیں ہم بھی صبا ترے تو ہمراہ	مدت سے ارادۂ سفر تھا
اے نالہ پھرے ہے کیوں بھٹکتا	تجھ میں بھی کبھو تو کچھ اثر تھا
کیوں ردّ و قبول میں ہے جھگڑا	مجھ میں نہ تو عیب نے ہنر تھا
اے درد جہاں کہیں میں دیکھا	وہ یار مرا ہی جلوہ گر تھا

خاموش ہو مت جتا کسو کو
آتا ہے نظر خدا کسو کو

تمام شد

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

فرہنگ و شرح دیوان درد

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
۱	۷	اعیان	معنی آنکھیں عین کی جمع
۱	۸	بآں افتقار الخ	افتقار کے معنی احتیاج، حاجت یعنی احتیاج کا سبب امکان ہے جو بات ممکن نہ ہو اس کی حاجت بھی نہیں ہو سکتی اور امکان کا تعلق تیری قدرت سے ہے۔ لہذا تیرا ہونا ضروری ہے
۱	۱۲	منبسط	پھیلا ہوا۔
۲	۵	سابقے	گزرے ہوئے واقعات
۲	۱۵	نت	ہمیشہ شروع سے آخر تک
۲	۱۶	سو بھی	وہ بھی
۲	۱۸	ٹک	ذرا
۳	۱۵	ایہام	ایسا لفظ استعمال کرنا جس کے دو معنے ہوں یعنی دوئی کا پردہ اٹھنے کے بعد ایک ہی ذات کے دو نام یا دو معنی ہیں جنکو اللہ و ماسوا اللہ یا وحدت و کثرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
۳	۱۷	جگ	دنیا۔ جہان۔
۳	۱۸	آپ سے	اپنے آپ۔ ہم سے
۴	۱	زور	بڑا ہی۔ بہت ہی۔ زیادہ زبردست سخت۔
۴	۹	ٹھہرایا	تجویز کیا۔

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
۴	۹	ہووے	انجام پائے
۴	۹	آپ ہی کام آیا	خود ہی ختم ہو گیا۔
۵	۱	تم سے	تم میں سے
۵	۱۹	کیا ہے	اس سے کیا۔ اس سے کیا بحث ہے
۶	۹	یہاں تئیں	یہاں تک۔
۶	۱۴	اُن نے	انھوں نے
۶	۱۷	جن تن نے	جس کسی نے
۷	۶	دولت	بدولت۔ وجہ سے
۷	۱۸	تس پر بھی	اس پر بھی
۸	۵	سلوک	اچھا برتاؤ
۸	۲۱	جوں	جس طرح
۹	۱	تہ بار	زیر بار
۹	۳	پکارے	پکار پکار کر
۹	۵	کوئی دم کو	بمعنی کوئی دم میں
۹	۹	کچھ مذکور ابراہیم ادہم کا	ابراہیم ادہم بلخ کے بادشاہ تھے سلطنت چھوڑ کر فقیری اختیار کی اور ولی کامل ہوئے مطلب ہے کہ ہماری مجلس میں کسی بادشاہ کا ذکر آتا بھی ہے تو اس کا جس نے بادشاہی چھوڑ دی ہے۔
۹	۱۸	پر	مگر
۱۰	۳	لوہو	لہو

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
۱۰	۸	موند آنکھ	آنکھ بند کرکے
۱۰	۱۳	سمونا	گرم او ٹھنڈے پانی کو ملاکر معتدل کرنا
۱۰	۱۷	کسو، کبھو	کسی، کبھی
۱۱	۷	بھرے لے ہے	بھرے لیتا ہے
۱۱	۸	ہاتھ ہے	ہاتھ میں ہے
۱۱	۱۶	بچل گیا	بھڑک گیا۔ خلاف ہو گیا
۱۲	۶	بھرمانا	مشکوک ہونا شبہ کرنا
۱۲	۱۱	خدمت فرمانا	خدمت سپرد فرمانا
۱۲	۱۲	بہت	بوزن غوران کے وقت میں جائز تھا
۱۲	۱۳	پائیے گا	بمعنی پائیں گے استعمال کیا ہے
۱۲	۱۹	کہانت اچنبا سا کچھ میں سنا تھا	اچنبا، عجیب نئی بات۔ مطلب کہ میں نے شروع سے آخر تک تعجب سے سنا تھا۔
۱۳	۹	بوڑھیا	اس ضعیفہ سے مراد ہے جس نے یوسف علیہ السلام کی قیمت میں سوت کی ایک انٹی پیش کی تھی جو اس وقت اس کی کل کائنات تھی۔
۱۳	۱۲	مجھ سا تجھ	مجھ سے
۱۳	۱۴	کان	سننے والا کان (گوش شنوا)
۱۳	۱۶	تبھی	جبھی۔ اسی وقت
۱۳	۱۶	جس آن	جس وقت
۱۴	۵	غریبی سے	غریبی کی حالت سے غریب کی حیثیت سے
۱۴	۶	گیا۔ نکلا	جاتا رہا۔ نکل گیا

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
۱۵	۳	خوش نہیں آتا	پسند نہیں آتا
۱۵	۱۰	بوجھو	سمجھو
۱۵	۱۳	ہوجیو	ہوجیو کا مخفف
۱۵	۱۴	ٹہکا	ٹھٹھا۔ قہقہہ
۱۵	۱۵	گہی	درگزر۔ کمی
۱۶	۱۲	نے سوار	بانس۔ نرکل وغیرہ کو گھوڑا بناکر اس پر سوار ہونے والا لڑکا۔
۱۷	۱۰	کے تئیں	کو
۱۷	۱۳	موج نسیم الخ	اگرچہ موج نسیم بوئے گل کے لیے زنجیر ہے مگر ہمارا دامن بھی نہیں چھو سکتی کیونکہ وہ از جا رمیدہ ہے اور ہم از خود رمیدہ ہیں۔
۱۷	۱۴	رسم زلف	زلفیں رکھنے کا رواج
۱۸	۲	ٹھاننا	مضبوطی کے ساتھ کچھ کرنا
۱۸	۱۳	پھول	چنگا ہے
۱۹	۲	چل نہ جائیں	ڈگمگا نہ جائیں۔ بہک جائیں
۱۹	۳	کیا حساب	ایسا کیوں ہے۔ یہ نسیم کس حساب میں شامل ہے
۱۹	۱۳	پیر مغاں کے ہاں	پیر مغاں کی مکان پر میخانہ مراد ہے
۱۹	۱۵	کبھو سے	مدت سے
۲۰	۱۱	سودا	مرزا سودا سے مخاطب ہے
۲۰	۱۸	چاہے	بمعنی اگر چاہتا ہے
۲۱	۵	شیشہ ہو	یعنی شیشہ ہوکر
۲۱	۹	کاغذ باد	پتنگ۔ کنکوا۔ گڈی

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
۲۱	۱۷	کمال کر	کمال کی وجہ سے حیثیت
۲۱	۱۸	عرقِ انفعال کر	شرمندگی کا پسینہ لا شرمندگی سے پر عرق ہو۔
۲۳	۸	کیجے نہ قتل	قتل کر کیوں نہ دیجیے
۲۴	۱۳	ہم	ہم نے
۲۴	۱۶	طرف	طرفداری
۲۵	۱۳	گرد	دھول کی اُڑنے والی خاک
۲۶	۲	یارب الخ	اے خدا! تیرا قصور چاہے ہو جائے مگر حق العبد کا گناہ نہ ہو
۲۶	۵	بوند بوند کر	بوند بوند کرکے۔ بوند بوند ہوکر
۲۶	۱۵	پنپا	سنبھلا۔ ٹھیک ہوا
۲۷	۲	پھرے	واپس ہوئے۔ لوٹے
۲۸	۲	یاروں ہی سے	ہم سے ہی۔ ہمیں سے
″	۶	[illegible]	شبنم گل کے ساتھ یا گل پر بیٹھ کر نقش گل سے رشک شرر ہو گئی اگر اس مصرعہ میں "آتش سی" پڑھا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ شبنم آگ کی طرح ہو گئی لیکن اس حالت میں "رشک شرر" کا جملہ بیکار محض ہو جائے گا۔
۲۸	۱۰	سیں	سے
″	۱۴	کس طور کر	کس طور سے
″	۱۶	روپک	ایک تال کا نام ہے جس کا سم خالی پر ہوتا ہے۔
۲۸	۱۶	سم	وہ تال جس پر سے کا زور پڑتا ہے اور اکثر ٹھیکہ بجانے والے کا سر ہل جاتا ہے۔
۲۹	۲	کہ مثل بحر الخ	دریا کی طرح ہمہ تن آغوش ہیں۔
۲۹	۳	اپچے ہے	آتا ہے (ارمان آنا۔ اُمنگ پیدا ہونا) مراد ہے۔
″	۵	باغ سوں	باغ سے
″	۱۱	جنھوں ہیں۔	جن لوگوں میں دوسرے مصرعہ میں (وہ) محذوف ہے۔
″	۱۴	خنک	سرد۔ ٹھنڈے
۳۰	۴	جی پاتے ہیں	زندگی پاتے ہیں
″	۹	بجوداتے ہیں	اپنے آپے میں آتے ہیں
۳۰	۱۳	استر	اکہری چادر
″	۱۶	آواز نہیں الخ	جس طرح زنجیر کی آواز ہرگز قید میں نہیں رہ سکتی
۳۱	۳	مور چھپے	چیونٹیوں کے نقش قدم
″	۵	پرکھیا	فکر۔ جانچ۔ پرکھ غور
″	۱۴	کچھ مرتبہ الخ	بعض نسخوں میں یہ مصرعہ اس طرح ہے "وہ مرتبہ ہے اور ہی فہمید کے پرے"
″	″	سمجھیں ہیں جس کو یار الخ	جس کو ہم لوگ اللہ سمجھتے ہیں وہ صرف اللہ ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہے۔
″	۱۶	انسان کی ذات الخ	ہستی یا کائنات کی بساط کا بادشاہ یعنی خلیفہ انسان ہے
″	۱۷	دل خواہ	جس کو دل چاہے۔ مطلوب دل

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
۳۲	۱۴	چمن	ای چمن۔ مراد ہی
〃	۱۸	یہاں	اس زمانہ میں یہاں مع ہا بھی لکھتے مگر پڑھنے میں ہ دب جاتی تھی لفظ یہاں اب متروک ہی۔
〃	۱۵	تو تیں	بجائے۔ تو نے
〃	۱۸	ہو جو	ہو جیو کا مخفف
۳۴	۳	بہ وہ	ساتھ دس زبانوں کے۔ باوجود دس زبانوں کے
〃	۹	بچن	بول۔ بات
۳۵	۲	قرآن کا نزول	ایک نسخہ میں "قرآن کا وجود" ہی۔
〃	۵	معاش کرتے ہیں	بسر اوقات کرتے ہیں
〃	۸	مزاج نازک الخ	ایک نسخہ میں "مزاج نازک دل سے اگر مکدر ہوا" ہی۔
〃	۱۴	آنکھیں سینکنا	آتش حسن کا نظارہ کرنا۔ حسینوں کو دیکھنا
〃	۱۶	جوں	بجائے جیوں بمعنی مانند
〃	۱۹	اثر	خواجہ محمد میر کا تخلص جو خواجہ درد کے سجادہ نشین تھے
۳۶	۱	نفس عیسوی چراغ	نہ بجھنے والے چراغ سے مراد ہی
〃	۱۹	دو ور دامن	دامن کی گوٹ۔ کنارا
۳۷	۱۱	ہوئیں	بوزن (ہی) اس زمانے میں جائز سمجھا جاتا تھا۔
〃	۱۲	سہج	بجائے سہل بمعنی آسان
۳۸	۶	نہ ملا ہمیں الخ	ایک نسخہ میں "نہ ملا ہمیں کوئی نکتہ داں تو یہ بہت سناویں بھلا

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
			کہاں" ہی۔
۳۸	۱۳	لے ڈوبیاں	بجائے۔ لے ڈوبیں
〃	۱۵	سعی بجا الخ	"مہر وفا" کے بعد لفظ "کی" محذوف ہی۔
۳۹	۲	وو	بجائے۔ وہ
۴۰	۱۴	نہیں	بوزن سعی ووھی اس زمانے میں جائز تھا۔
۴۰	۱۵	چاہتے وو الخ	ایسی آہیں کہ اُن کے چاہتے ہی ایک شعلہ سے دونوں جہان جل جائیں۔ ای درد عشق میں منظور نہیں "چاہتے" بمعنی چاہتے ہیں سرد آہوں سے جلنے کے یہ معنی ہیں کہ جیسے پالا یا تسار باوجود سرد ہونے کے درخت وغیرہ جلا دیتا ہی۔
۴۰	۱۶	اور ہی	بوزن فوری اس زمانے میں جائز تھا
۴۱	۱	اپنے جی ہیں	یعنی ہمارے جی ہیں
۴۲	۷	حول وقوت	دونوں لفظوں کے معنی قوت کے ہیں۔
۴۲	۸	جو کچھ ہم نے الخ	ہم نے جو تمنا کی وہ پوری ہو گئی مگر یہ آرزو باقی ہی کہ اب کوئی آرزو پیدا نہ ہو
〃	۱۱	ای درو الخ	کو بمعنی سے۔ رو بمعنی میل۔ توجہ۔ ای درد اگر دل کے آئنہ میں یادی صورت جگہ کرلے گی

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
			تو اہل صفا اس کی طرف میل یا توجہ نہ کریں گے کیونکہ وہ اس آئینہ میں صرف نور حق کی تجلی دیکھنا چاہتے ہیں
۴۲	۱۶	سمجھا کریو	بجائے سمجھا کیجیو پہلے جائز تھا اب سمجھا کرنا لکھتے ہیں۔
۴۳	۳	کیدھر	بجائے کدھر
۴۴	۴	شخص امکان	وجود امکان
〃	۹	لگ چلیو	مل کر چلنا۔ ملنا
〃	۱۳	کہنا مالک اشتیاق الخ	اے اشتیاق (شوق دید) تو رفتار یار سے کہنا
۴۵	۱	دے لے	دے چک، دے ڈال
〃	۱	شتاب ہو	جاری ہونی چاہیئے
〃	۱۱	چونکے ہے ابھی	ایک نسخہ میں چونکے نہ ابھی ہے
۴۵	۱۵	چسپیدہ	وہ مصرعہ جو اپنے ساتھ کے مصرعہ سے چپک جائے۔ خوب مرابط ہو
۴۵	۱۶	رکھتی ہے الخ	گرہ کے معنے پیچ مشکل عقدہ میرے غنچۂ دل کو گرہ نے اپنا وطن بنا لیا ہے۔
۴۶	۱۰	وا شد	کھلنا۔ کھل کر ملنا
۴۷	۱۲	دید وا دید	خود ملنا اور ملنے کے جواب میں ملنا دیکھنا دکھانا۔
۴۷	۱۹	قصہ زلف الخ	کیا کہیئے قصۂ عمر دراز ہے اور عمر کوتاہ ہے۔
۴۸	۶	گزر	یعنی گزرگاہ
〃	۱۴	بدرقہ	محافظ۔ رہنما

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
۴۸	۱۷	اپنے نقش الخ	یعنی لباس صرف جسم کو چھپا سکتا ہے عیبوں کو نہیں چھپا سکتا یہ کام دیدۂ عیب پوش کا ہے۔
۴۹	۸	ہمیں	یعنی ہم سے
〃	۱۳	سندیسا	خبر پیغام
〃	۱۵	بھاگتا تھا اور	اور بھی بھاگتا تھا
〃	۱۹	دنگ	حیران ہکا بکا
۵۰	۴	منہ پسار	منہ پھیلا
〃	۱۰	روتی ہیں الخ	تجھ سے داد چاہنے والی یہ آنکھیں اب تک رو رہی ہیں۔
〃	۱۳	حشر سے آگے	حشر سے پہلے
۵۱	۱	قیامت	یعنی قیامت کا
〃	〃	اٹھاتی ہے	پیدا کرتی ہے۔ ابھارتی ہے
۵۱	۱۴	اگر آئینہ الخ	چار آئینہ زرہ ہے سکہ مقابل اگر آئینہ چار آئینہ کے اندر بھی قیام ہو جائے تو تیر مژگاں کا مقابل نہیں ہو سکتا یعنی زرہ پوش ہو کر بھی ایسا نہیں کرسکتا۔
۵۲	۱۳	بات بڑھائی	بات قایم کی۔ طے کی
〃	۱۶	بخود	اپنے آپ میں
۵۳	۱۰	پاس	پردا۔ لحاظ
۵۴	۱۸	وسے	وہ کی جمع، پہلے اس کا استعمال تھا
۵۵	۲	سیہ روزی کی	بجائے سیہ روزی کی حالت تیرہ بختی یا بدنصیبی کے متعلق
〃	۱۲	نئیں	بجائے نہیں
〃	۱۴	آتش کھا	بجائے آتش کھا کر

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
۵۵	۱۷	بلبل نہ برآئے الخ	بلبل عہدہ برانہ ہو
〃	〃	گل کا	بجائے گل کا زور
۵۶	۳	وں ہی وہ ہوا الخ	جس طرح ایک درخت سے قلم تراش کر دوسرے درخت پر لگائی جاتی ہے اسی طرح ایک زبان سے نکلی ہوئی بات دوسری زبان تک جاتی ہے۔
〃	۴	تیغ کہکشاں ہے	بجائے تیغ کہکشاں کی
〃	۸	جاں سے	بجائے جان کا
〃	۱۸	دید وادید	دیکھنا دکھانا۔ میں نے اسے دیکھا اس نے مجھے دیکھا
۵۷	۹	خیر و شر الخ	سانپ کی زندگی کو اس کے حق میں خیر اور اس کے زہر کو انسان کے لئے شر کہا ہے مطلب یہ کہ خیر و شر کی تمیز مشکل ہے۔
۵۷	۱۰	مت عبادت الخ	یعنی تیری عبادت جنت کے لئے ہے اور ارمانِ جنت اس گناہ کا طفیل ہے جس نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلوایا ورنہ تو کبھی آج جنت میں ہوتا اور حصول جنت کے لئے عبادت کی ضرورت نہ سمجھتا۔
〃	۱۳	اگر کہے گا	یعنی اگر منع کرے گا
۵۸	۴	کیا ہے مجھے	یعنی مجھے کیا۔ مجھے کیا مطلب
〃	۵	جا سمجھیے	یعنی جا کر کہیے
۵۸	۷	کھپنا	خفیف ہونا، چھپنا، خفا ہونا رنج میں گھلنا۔
۵۸	۷	ووں بھی	بجائے یوں بھی اس زمانے میں جس ضمیر کا تعلق لفظ یہ سے ہوتا تھا اس کے لئے یوں اور جس ضمیر کا تعلق لفظ وہ سے ہوتا تھا اس کے لئے ووں استعمال کرتے تھے۔
۵۸	۱۵	کچھ لکھے	یعنی شوق دید کے متعلق کچھ لکھے۔
۵۹	۷	کیا سیر سب الخ	بجائے ہم نے سب گلزار دنیا کی سیر کی
〃	۸	مند گئی	بند ہو گئی۔
〃	۱۳	رہتی ہے کوئی الخ	یعنی مجھے ختم کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔
〃	۱۷	جاتا ہوں بس الخ	بجائے بس کہ دم بدم آپ خاک میں ملا جاتا ہوں
۶۰	۱	نکلا ہی جاہے	یعنی نکلا ہی جاتا ہے۔ ایک نسخہ میں "نکلا ہی جائے" درج ہے۔
۶۱	۱	دل ویسے ستمگار سے	بجائے۔ دل ایسے ستمگار سے جیسے ووں بجائے یوں۔
۶۱	۴	کس کی نظر نے	ایک نسخہ میں "کس کی نظر میں" ہے۔
〃	۵	سوائے تیرے الخ	اے چشم انتظار صرف تیرے کھلے رہنے کی ضرورت ہے ورنہ

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
			آئنہ کی طرح میں بھی کسی کو دیکھنے کے لیے آنکھ نہیں کھولنا چاہتا۔
۶۲	۱۰	ساحت	میدان۔ سطح
		تیری نگاہ الخ	جب سے "تیری نگاہ مست نے تخصیص اٹھا دی۔ ایک نسخہ میں بجائے "سب سے کی" "جب سے نہ کی" ہے۔
〃	۱۸	دم	پھونک۔ سانس کی ہوا دم یاس سے آہ مراد ہے۔
۶۳	۸	وعدے پہ الخ	باعتبار مفہوم "کہ وعدہ وفا ہوگا" محذوف ہے"
〃	۱۰	تیار ہوں۔ الخ	میرے تیار ہونے تک قافلہ روانہ ہو جائے۔
〃	۱۴	راہ پینڈے	رستے گلی
۶۴	۳	عدم رفتگاں الخ	قاصد سے جان مراد ہے یعنی اب ہم بھی عدم کو جانے والے ہیں۔
〃	۹	دشنام ہے الخ	یہ سمجھ کر کہ میں ہوں غیر کو گالی دیتا ہے۔ یہ مہربانی مجھے بےجان کبھی کیا کر
〃	۱۵	ہیں شعر فہم الخ	جو شعر فہم کسی کو شاعر نہیں مانتے اور ان کا یہ مرض لاعلاج ہو گیا ہے وہ جب میرے پاس آتے ہیں تو
			مجھے ماننے لگتے ہیں۔
۶۵	۱	پیچ	دھوکا۔ فریب
〃	۲	کھلانا	بمعنی۔ کھلوانا
〃	۱۲	سنمکھ ہو	روبرو ہو کر
〃	۱۲	راز دل نہ کر گئے	راز دل میں رکھے ہوئے چلے گئے ان کو کھولا نہیں
〃	۱۵	پہ سمجھے الخ	جو بادشاہ اپنے زعم میں بادشاہت کو اپنی اختیاری سمجھ کر چلے گئے ان کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ بادشاہت کا دینے والا اس بساط کا شاطر کوئی اور یعنی خدا ہے شاطر شطرنج کھیلنے والا۔ شہ دینا شطرنج کی اصطلاح میں بادشاہ پر زد ڈالنے کو کہتے ہیں۔
〃	۱۴	کشتگان عشق الخ	ممکن ہے کہ درد کی بجائے لفظ داد ہو اور تخلص کے دھوکے میں یہ غلطی ہوئی ہو اور یا اس مصرع میں بجائے "کو علیو" کی "بنو" ہونا چاہیے جیسا کہ ایک نسخہ میں درج ہے
〃	۱۸	شخص و عکس	اصل ذات اور اس کا عکس قادر مطلق اور اس کی قدرت کا جلوہ۔
۶۶	۱	مجھے	اس میں میم کو متحرک استعمال

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
			کیا ہی بہذا بوزن فاعلان پڑھنا چاہیے۔
٦٦	١١	دوست	بجائے۔ ای دوست
"	١٣	چھوڑ گھر باہر چلے	یعنی گھر چھوڑ کر باہر کو چلے۔
"	١٦	پھر چلے	بھگت چلے۔ پوری کر چلے
٦٧	١	آندان پڑتی ہے	بات جب خرابی ہوجاتی ہے یعنی اس کا وقت نکل جاتا ہے
"	١٠	چرالے	ندان کے معنے ختم بعید آخر ایک نسخہ میں چھینا لے یعنی چھنولے درج ہے مگر اس میں صحیح ذم ہے
"	١٥	وہیں	بجائے۔ وہیں
٦٨	١٥	داب لیکر	یعنی۔ داب کر
"	١٦	اٹھائے یہ	یعنی۔ اٹھائے لیے
"	١٧	پھر کھینچا	سر اٹھایا سرکشی کی
"	١٩	پھر بیٹھے	پورے کر دیئے یا ختم کر دیئے۔
"	٩	کیا آفت	بجائے۔ کیا آفت ہے
"	١٢	داؤ ہو الخ	یعنی۔ ہار ہی ہے۔ یعنی ہم تو دل لگا چکے اب آپ کی باری ہے۔ دل لگائیے یا گلے لگائیے۔
"	١٣	بانا	وضع۔ طریقہ
"	١٤	گوں	غرض۔ مطلب
"	١٨	اپچلی	شوخ۔ چنچل
٧٠	١	بات الاسے ہو	یہ بھی کوئی بات ہے

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر	معنی یا تشریح
٧٠	٢	کیا چلی ایسی	اس سے کیا کام چلتا ہے
"	١٢	بت پرستی الخ	بت پرستی تو کفر ہے ہم جس کو چاہنے لگتے ہیں اور جس کی محبت میں ہمارا دل گرفتار ہوجاتا ہے اس کو صنم کہنے لگتے ہیں۔
"	١٧	مرنے سے آگے کیا ہے	مرنے سے زیادہ اور کیا ہے۔
"	١٩	ندان	انتہائی
٧١	٢	کیا ہوا اس کا الخ	مگر اس کو بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔
"	١٣	جو خرابی الخ	پہلا مصرعہ باعتبار مفہوم دوسرے مصرعہ میں "دست قدرت سے" تک ہے۔ یعنی جو خرابی قدرت کو منظور ہو وہ رک نہیں سکتی۔
"	١٥	کرے نہ قتل مجھکو	مجھے قتل کر کیوں نہ دیجیے
٧٢	١	پیچش کرنا	لپٹنا۔ بگولہ بنانے سے مراد ہے
"	١٦	عنایات اٹھ گئی	عنایت رک گئی۔ یعنی اب نہیں رہی۔
٧٣	١	جھلمی پھرے ہے	فریب دیتی یا ڈھلکتی پھرتی ہے
"	١١	چھوٹتے	بجائے۔ چھوٹتے ہی
٧٥		خونی	خون بہانے والا۔ قاتل
"	١٣	پنپنا	بحال ہونا۔ چپٹنا ٹھیک ہونا۔

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر وغیرہ	معنی یا تشریح
۷۵	۱۰	ہووے	ہو سکے
۷۶	۶	غبن فاحش	کھلی ہوئی بھول نسیان نقص ۔ کمی ۔ خسارہ ۔
،،	۱۵	نہ دیکھی الخ	زمانے کو چشم پوشی کرتے تو دیکھا ہی نہیں
،،	۱۷	نپٹ	بالکل ۔ سراسر
۷۷	۱	کہ اس نے آپ الخ	مہربانی کرکے تماشے کو خود آیا
،،	۷	مت اٹکیو	نہ الجھیو
،،	۹	راز الیہ المصیر	یہ راز کہ سب اسی کی طرف لوٹیں گے
،،	۱۲	شیشہ	دل سے مراد ہے
،،	،،	پری	مطلوب
۷۸	۱	نہیں چھوٹتی الخ	شاید مستی قید ہستی سے (جو مجھے نہیں چھوڑتی) کھینچ لے جائے۔
،،	۴	اک لخت	ذرا دیر
،،	۵	بس	کافی
،،	۷	تپاک	لگن جلن
،،	۱۲	سمجھیں ہیں گے	سمجھینگے ہی
۸۰	۱	گل کھائے گئے الخ	جن لوگوں نے داغ کھائے ان کے کھائے ہوئے داغ تو رنگ لائے یا ان کے داغوں کے پھول تو کچھ کچھ کھلے مگر ہمارے سب داغ خاک میں مل گئے
،،	۷	بسرتی ہے	بھولتی ہے فراموش ہوتی ہے
۸۰	۱۰	چنبر	چکر ۔ حلقہ
،،	۱۳	نبڑتا ہے	ختم ہوتا ہے
۸۱	۴	موند لے	بند کر لے
،،	۵	سپنا	خواب
،،	۸	ڈھیا	مسمار ہو گیا ۔ بیٹھ گیا
،،	۱۳	پیکھنا	پورا دیکھنا ۔ گورکھ دھندا بکھیڑا ۔ دنیا سے مراد ہے
،،	۱۳	مانند مژہ الخ	ہم جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں پلکوں کی طرح صفیں کی صفیں اٹھتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں ۔
۸۲	۵	کس کا کون الخ	کون کس کا ہے کسی سے کیا کہا جائے
،،	،،	لہنا	قسمت ۔ نصیب
،،	۱۱	دیدۂ سر	ظاہری آنکھ جو چہرے پر ہے
،،	۱۴	کوئی دنوں	بجائے ۔ کچھ دنوں
۸۳	۴	ہم نیں	بجائے ۔ ہم نے
،،	،،	لیکھا	حساب
،،	۶	بیتے ہیں	گزرے ہیں
،،	۱۲	دریا پہ الخ	دریا کا چڑھنا دیکھنے کے لیے ساقی فضول جاتا ہے۔
۸۴	۳	ووں کر	اسی طرح
،،	۴	جوں کر	جس طرح
،،	۷	بحر علوم	اپنے مرشد یعنی والد کی طرف اشارہ ہے
،،	۱۱	پیری چلی	پیری نے بھی چلنا شروع کر دیا

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر وغیرہ	معنی یا تشریح
			یعنی اب ختم ہی پہ ہے
٨٣	١٣	تاثیر پڑی	یعنی اثر پڑا
"	١٤	بنی بگڑی	قسمت چمکی
٨٥	٣	جوں کال الخ	کال خشکی۔ تال پانی جس طرح خشکی میں پانی پیدا ہوجاتا ہے اسی طرح پانی سے خشکی کا تعلق ہے یعنی خشکی پانی کو جذب کرلیتی ہے یہی عدم سے آنے اور عدم کو جانے کی صورت ہے اور یہی عدم اور وجود کا باہمی تعلق ہے
٨٥	٣	تنزیہ تشبیہ	علیحدگی۔ بیگانگی مشابہت۔ یعنی دُنیا سے علیحدہ ہونا اور اسی میں شامل ہونا صورت اختیار کرنا بھی مراد ہوسکتا ہے خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ عدم وجود ہی ایک دوسرے کا سبب ہیں اور ایک کو دوسرے سے تعلق ہے۔
"	١٤	ابرام	مضبوطی
٨٦	٣	سمون	سماں۔ بہار کیفیت
٨٨	٢	تد	تب۔ تو
"	٣	کد	کب
"	١٨	ہیہات الخ	پہلے مصرعہ کا مفہوم دوسرے مصرعہ میں لفظ "[illegible]"

صفحہ	سطر	الفاظ یا شعر وغیرہ	معنی یا تشریح
			پر ختم ہوتا ہے۔
٩٠	٨	یوں	اس طرح
"	٩	ووں	اُس طرح
٩١	٥	کرتا ہی تو صلح غیر سے تو	اس مصرعہ کا آخری لفظ "تو" بلحاظ مفہوم دوسرے مصرعہ میں شامل ہے۔
٩٢	٣	ور	غالب